دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

جلد: ۱۰۰	جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق مارچ ۲۰۱۶ء	شمارہ: ۳

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند- ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 100, Issue No. 3, March 2016 मार्च 2016
Printer Publisher :- Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Habibur Rahman Azmi
Owner :- Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 20/=	Annual Subscription Rs. 200/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۴۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۷۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۷۰۰ روپے

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	بیت اللہ کے اندر پیدا ہونے والے ایک صحابیِ رسولؐ	مفتی محمد راشد ڈسکوی	۷
۳	عربی مخطوطات کی تحقیق کا منہج	مولانا محمد یاسر عبداللہ	۱۴
۴	شکیل بن حنیف کا فتنہ — قادیانیت کی نئی صورت	الیاس نعمانی	۲۶
۵	خیر الکلام فی کشف أوہام الأعلام	مولانا مفتی عمر فاروق لوہاروی	۳۳
۶	جلیانوالہ باغ کی داستانِ خونچکاں	مولانا ولی اللہ ولی بستوی	۴۱
۷	جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں	انوار احمد قاسمی مبارکپوری	۴۷

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ آر.ایس.ایس کو سیاست میں غیر معمولی دلچسپی ہے۔ ہندوستان آئینی اعتبار سے کیسا ملک ہو؟ اس کے دستوری ڈھانچہ کی شکل کیا ہو؟ ملک کی سیاسی و اقتصادی پالیسی کس نوعیت کی ہو وغیرہ؟ سیاست کے تمام شعبوں کے بارے میں اس تنظیم کے اپنے مخصوص نظریات طے شدہ منصوبے اور متعینہ اصول ہیں جن کا اظہار اس کے سرسنگھ چالک اور دیگر اہم لوگ موقع بہ موقع کرتے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر وہ سیاسی نہیں تو پھر سیاسی کسے کہا جائے گا؟

پھر یہ بھی ایک زندہ حقیقت ہے کہ یہ تنظیم پورے طور پر فارشسٹ سیاسی نظریات سے متاثر جمہوریت کی بجائے آمریت کی حامی رہی ہے اور مضبوط تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ اس کے رہنماؤں نے ہٹلر اور مسولینی کے قومی وسیاسی نظریات سے براہ راست استفادہ کیا ہے اور ان سے بیحد متاثر ہیں۔ اس کے بڑے بڑے لیڈروں نے اٹلی اور جرمنی جاکر فاشزم کی تعلیم وتربیت حاصل کی ہے؛ چناں چہ ہندو سماج کو فوجی تربیت دینے کی ضرورت واہمیت کو انھوں نے اٹلی و جرمنی کے ماڈلوں کو دیکھنے کے بعد ہی محسوس کی، آج ملک میں اس کی شاکھاؤں کا جو جال پھیلا ہوا ہے، وہ درحقیقت اسی فاشسٹ ذہنیت کی آبیاری کرتے ہیں اور انہی شاکھاؤں کے ذریعہ ہندو فاشزم کے زہریلے جراثیم نئی نسل کے اندر سرایت کیے جاتے ہیں۔

نہرو میموریل میوزیم لائبریری دلی میں ایسے متعدد ریکارڈ محفوظ ہیں جن میں ہٹلر اور مسولینی سے ان کے تعلقات کے ثبوت ہیں۔ اس ریکارڈ کے مطابق سنگھ کے بانی ہیڈگیوار کے قریبی ساتھی، دوست اور مشہور ہندو وادی بی.ایس منجے ہندوستان کے اولیں لیڈر ہیں جن کا اٹلی و جرمنی کے ان

فاشسٹ حکمرانوں سے رابطہ ہوا۔ فروری، مارچ ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس سے واپسی پر منجے نے اٹلی کا سفر کیا اور وہاں کے اہم فوجی اسکولوں اور تعلیمی اداروں کا بغور جائزہ لیا۔ اور اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی سے بھی ملاقات کی۔ نیز اٹلی میں فاشزم کی تعلیم وتربیت کے لیے جو تنظیمیں اس وقت سرگرم عمل تھیں انھیں بھی قریب سے دیکھا؛ چناں چہ منجے اپنی ڈائری میں ان تنظیموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان میں بللہ تنظیم کا ڈھانچہ اور اس کا نظریہ مجھے پسند آیا اور میں اس سے بیحد متاثر ہوا۔ (اس موقع پر یہ بات ذہن نشین رہے کہ اٹلی کی فوجی تنظیم نو کے لیے مسولینی نے خود اس تنظیم کو تشکیل دیا تھا) آگے منجے لکھتے ہیں فاشزم کا نظریہ کس طرح لوگوں کو اتحاد کے بندھن میں باندھ سکتا ہے اس کا پتہ اس تنظیم کے دیکھنے سے اچھی طرح لگ جاتا ہے۔ ہندوستان، خاص کر ہندو بھارت کو بھی ایسی تنظیموں کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر ہیڈگیوار کی قیادت میں ہماری تنظیم راشٹریہ سویم سیوک سنگھ بھی اسی طرز پر بنی ہے۔ ڈاکٹر ہیڈگیوار کی اس تنظیم کی ترقی اور پورے مہاراشٹر اور اس سے باہر اس کی توسیع کے لیے میں تاحیات سرگرم عمل رہوں گا۔

یہ بات اہل نظر سے مخفی نہیں ہے کہ آر.ایس.ایس اور مسولینی کی بللہ تنظیم کے طریق کار میں کافی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ بللہ تنظیم میں ۱۶ سے ۱۸ سال کے لڑکے لڑکیاں شامل کی جاتی ہیں۔ ان کی ہفتہ وار میٹنگیں ہوتی ہیں جہاں وہ لوگ جسمانی ورزشیں اور نیم فوجی مشقیں کرتے ہیں۔ آر.ایس.ایس کی شاکھاؤں میں بھی یہی سب کچھ ہوتا ہے۔

منجے اپنی ڈائری میں یہ بھی انکشاف کرتے ہیں کہ

۱۹/مارچ ۱۹۳۰ء کو سہ پہر ۳ بجے میں مسولینی سے ملنے گیا۔ دروازہ تک آکر انھوں نے میرا پرتپاک استقبال کیا۔ دورانِ گفتگو انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میں نے ان کی یونین سٹی دیکھی، میں نے بتایا کہ میں ان کی قائم کردہ بللہ تنظیم سے کافی متاثر ہوا ہوں، اور میں مانتا ہوں کہ اٹلی کو ایسی تنظیموں کی ضرورت ہے اور ہمارے ملک ہندوستان کو بھی۔ میں نے انھیں مقاصد کے تحت اپنے ملک میں بھی ایسی تنظیمیں قائم کی ہیں۔

ہندوستان واپس آکر منجے نے اپنے دوست ہیڈگیوار کو کافی متاثر کیا جس کے نتیجے میں آر.ایس.ایس نے اپنے پلیٹ فارم سے منجے کو فاشسٹ نظریات کی اشاعت وتبلیغ کی کھلی چھوٹ دے دی چناں چہ اسی سلسلہ میں ۳۱/جنوری ۱۹۳۴ء کو ''فاشزم اور مسولینی'' کے عنوان سے ایک کانفرنس منعقد کی گئی جس کی صدارت خود ہیڈگیوار نے کی تھی اور منجے نے اس میں افتتاحی تقریر کی تھی۔

اس کانفرنس کے چند ماہ بعد ۳۱؍مارچ ۱۹۳۴ء کو منجے، ہیڈگیوار اور لالو گوکھلے کی ایک خفیہ میٹنگ ہوئی، جس میں گوکھلے نے یہ سوال اٹھایا کہ ہندوؤں کو کس تدبیر سے منظّم کیا جاسکتا ہے؟ اس کے جواب میں منجے نے کہا کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں اس اتحاد کی بنیادیں پائی جاتی ہیں لیکن انھیں بروئے کار لانے کے لیے ضروری ہے کہ قدیم زمانے کے ''شیواجی'' یا جدید دور کے مسولینی یا ہٹلر جیسے کسی ہندو ڈکٹیٹر کے ہاتھوں میں ہندوستان کی باگ ڈور ہو۔ ہمیں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک منصوبہ ترتیب دے کر اس کی تشہیر وتبلیغ کے لیے سرگرم عمل ہوجانا چاہیے۔ اسی منصوبہ کے مطابق منجے اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں سے ۱۹۳۴ء میں مسولینی کے فکری وعملی طرز پر بھونسلا ملٹری اسکول قائم کیا گیا اور دی سینٹرل ہندو ملٹری ایجوکیشن سوسائٹی کی تشکیل کے لیے فضا ہموار کرنے کا کام شروع کردیا گیا۔

آر.ایس.ایس کے بانی ہیڈگیوار ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۱ء تک جس ہندو مہاسبھا کے سکریٹری رہے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۲ء تک ''ساورکر'' اس کے صدر رہے۔ جو اٹلی کے مسولینی کے مقابلہ میں جرمنی کے ہٹلر سے زیادہ متاثر تھے، انھیں کے زمانہ میں مہاسبھا کی مسلم مخالفت کھل کر سامنے آئی اور یہ بات واضح ہوگئی کہ ان فاشسٹ تنظیموں کے نظریہ کے مطابق وطنِ عزیز کے مبینہ دشمن کون ہیں؟

۱۴؍اکتوبر ۱۹۳۸ء کو مالیگاؤں میں تقریر کرتے ہوئے ساورکر نے ہٹلر کی یہود دشمن پالیسی کو درست قرار دیتے ہوئے کہا ''ملک کی تعمیر اس کے اکثریتی فرقہ کو لے کر ہوتی ہے نہ کہ اقلیتی فرقہ کو لے کر؛ اس لیے جرمنی میں یہودیوں کا کیا کام؟ اچھا ہوا کہ اقلیت ہونے کی بنا پر انھیں ملک بدر کردیا گیا۔'' اس کے تقریباً دو ماہ بعد ۱۱؍دسمبر ۱۹۳۸ء کو ایک موقع پر انھوں نے کہا: ''جرمنی میں جرمن لوگوں کی تحریک قومی تحریک ہے؛ جب کہ یہودیوں کی تحریک فرقہ پرستی پر مبنی ہے۔''

ان بیانات کی روشنی میں ہندوستانی اقلیتوں کے سلسلہ میں ان کے نظریہ کو بہ خوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

ہندو قوم پرستوں کے فاشسٹ نظریہ کی وضاحت نہرو میموریل میں محفوظ منجے کے اس خط سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے ''کھاپڑے'' کو لکھا تھا۔ اس میں منجے بڑی صراحت سے لکھتے ہیں:

''مسلمان شرارت پسند ہوگئے ہیں، کانگریس ان کا مقابلہ کرنے کی بجائے ان کے آگے سرِتسلیم خم کیے ہوئے ہے؛ اس لیے ہمیں گاندھی اور مسلمان دونوں سے لڑنا ہوگا، اس کے لیے آر.ایس.ایس کا استعمال آسان اور مفید ہوسکتا ہے، چرخے کا مقابلہ آخر کار رائفل سے ہی کرنا ہوگا۔''

یہ تاریخی شواہد صاف بتارہے ہیں کہ آر.ایس.ایس اور ہندومہاسبھا جیسی تنظیمیں خالص سیاسی پارٹیاں ہیں اور یہ تنظیمیں ہٹلر اور مسولینی جیسے ڈکٹیٹروں کو جنھیں پوری دنیا نے مسترد کردیا ہے اپنا آئیڈیل مانتی ہیں اور تشدد و جارحیت کے ذریعہ ہندوستانی اقلیتوں کو پامال اور مادر وطن سے انھیں باہر نکال پھینکنا ان کا بنیادی مقصد ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ کل کی ''جن سنگھ'' اور آج کی ''بھارتیہ جنتا پارٹی'' بھی دراصل آر.یس.ایس ہی کا سیاسی حصہ ہے۔ ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ بی، جے، پی کے بانی ڈاکٹر شیاما پرشاد مکھرجی نے جب نہرو کابینہ سے مستعفی ہوکر ایک قوم پرست پارٹی بنانے کا فیصلہ کیا تو انھوں نے اس وقت کے آر.ایس.ایس کے سرسنگھ چالک گوروجی ہی سے کارکن مانگے تھے؛ چناں چہ انھیں سویم سیوکوں کو لے کر مکھرجی نے باضابطہ طور پر بھارتیہ جن سنگھ کی تشکیل کی جس کے وہ خود صدر بنے اور پنڈت دین دیال اپادھیائے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔ بعد میں کشمیر آندولن کے دوران گرفتار ڈاکٹر مکھرجی کی جیل میں موت واقع ہوگئی تو ایسا لگتا تھا کہ یہ نوازائیدہ پارٹی دم توڑ دے گی تو اس وقت آر.ایس.ایس کے سویم سیوکوں ہی کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اس پارٹی کو زندہ رکھنے اور اسے بڑھانے کی بھرپور کوشش کریں۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کی اپنی یہ ابتدائی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ اس کا جنم آر.ایس.ایس ہی کے توسط سے ہوا ہے۔ علاوہ ازیں خود آر.ایس.ایس بھی اسے اپنی ہی پارٹی مانتی ہے۔ چنانچہ آر.ایس.ایس کے اشاعتی ادارہ سروچی پرکاشن سے شائع کتاب ''آر.ایس.ایس: ایک تعارف'' میں جن ۳۰ تنظیموں کو یکساں نظریاتی تنظیم بتایا گیا ہے ان میں ایک نام بھارتیہ جنتا پارٹی کا بھی ہے۔

اب اس عہد نو میں ''ہندی اور ہندوستانی'' کے بجائے ملک کا ہر فرد ''ہندو'' ہے کا فلسفہ اور ''جے ہند'' کی جگہ ''رام رام'' کہنے کی نئی روایت ایجاد کرنے پر زور اور ملک کی اقلیتوں کو ایک خاص تہذیب میں ضم کردینے کی کوشش وغیرہ فسطائی حرکتیں صاف بتارہی ہیں کہ ہمارا جمہوری وسیکولر ملک کدھر جارہا ہے؟

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے، اے ہندوستان والو!

❁ ❁ ❁

بیت اللہ کے اندر پیدا ہونے والے ایک صحابیِ رسولؐ

از: مفتی محمد راشد ڈسکوی
رفیق شعبۂ تصنیف وتالیف، واستاذ جامعہ فاروقیہ، کراچی

سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اصحاب کی جماعت کے ہر ہر پھول کی خوش بو اور صفات ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں، ہر ہر صحابی اپنی مخصوص صفت کی وجہ سے اپنا ایک مخصوص امتیاز اور پہچان رکھتے تھے، اسی گل دستے کے ایک پھول کا نام ''حکیم بن حزام'' بھی ہے، ان صاحب کی ایک پہچان اور خصوصیت ایسی ہے، جس سے کوئی اور متصف نہیں ہے؛ اور وہ ہے ''ان کا بیت اللہ کے اندر پیدا ہونا''۔

کعبہ میں پیدائش کا قصہ

قصہ کچھ اس طرح ہوا کہ واقعۂ فیل سے تیرہ سال قبل کا دور تھا، ان کی والدہ حاملہ تھیں، وقتِ ولادت قریب تھا، زیارتِ کعبہ کے لیے تشریف لے گئیں تو حصولِ برکت کی نیت سے اندر داخل ہوگئیں، وہاں دردِزہ شروع ہوگیا اور اندر ہی ایک چمڑے پر حضرت حکیم پیدا ہوگئے۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ جب نبیِ اکرم ﷺ کے دادا عبد المطلب نے اپنی نذر ومَنّت کی بنا پر آپ ﷺ کے والد ''عبداللہ'' کو قربان کرنا چاہا تو اس وقت میں سمجھ بوجھ رکھنے والا بچہ تھا۔

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تعلق

نبی اکرم ﷺ کے نبوت کا دعوی کرنے سے پہلے ہی یہ آپ ﷺ کے دوست تھے اور دعویٰ نبوت کے بعد بھی انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اپنی سابقہ دوستی اور محبت میں کوئی کمی نہیں آنے دی، بعثت کے دعویٰ کے بعد جب قریش مکہ نے آپ ﷺ کے پورے خاندان (بنو ہاشم اور

بنومطلب) سے بائیکاٹ کیا اوران کوشعب ابی طالب میں محصور کردیا اوران سے ہرطرح کے لین دین کی مقاطعت کرلی؛ تواس وقت بھی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ملکِ شام کی طرف سے آنے والے تجارتی قافلوں سے خاموشی کے ساتھ سامان خرید کرآپ ﷺ اوراپنی پھوپی حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے اکرام میں آپ ﷺ اورآپ کے پورے قبیلے والوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کوآپ نے ہی خریدا ہوا تھا، آپ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خریدا اورآپ ﷺ کو ہدیہ دے دیا اورآپ ﷺ نے انھیں آزاد کردیا۔

آپ کے اسلام لانے کا زمانہ

لیکن انہوں نے اسلام بہت تاخیر سے قبول کیا، حتی کہ فتحِ مکہ کے موقعہ پر اسلام میں داخل ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لیے نکلے تو یہ اور ابوسفیان سردارانِ مکہ کی طرف سے بطورِ جاسوس مسلمانوں کے لشکر کی طرف نکلے تھے، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سفیان کے لیے امان حاصل کرلی، اسی سبب سے حضرت سفیانؓ مسلمان بھی ہوگئے۔ پھر دوسرے دن صبح کے وقت حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بھی خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوے۔ اس وقت جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تالیفِ قلب میں یہ اعلان کروایا کہ جو شخص بھی ''حکیم بن حزام'' کے گھر داخل ہوگیا، اسے بھی امان ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین میں شرکت

اس کے بعد انہوں نے جناب نبی اکرم ﷺ کے ساتھ شریک ہوکر غزوۂ حنین میں حصہ لیا۔ جب کہ اسلام لانے سے قبل یہ کفار کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے، اس غزوہ میں یہ آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہونے سے بمشکل بچ پائے تھے، مسلمان ہوجانے کے بعد اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جب بھی قسم کھاتے تو اس طرح کہتے: ''اس ذات کی قسم! جس نے مجھے بدر کے دن قتل ہونے سے بچالیا تھا''۔

آپ کا استغنار نفس

اسی غزوۂ حنین کا قصہ ہے کہ جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو آپ ﷺ نے انھیں تالیفِ قلب کے لیے ایک سو اونٹ عطا فرمائے، انہوں نے مزید کا مطالبہ کیا، آپ ﷺ نے اور عطا فرمادیے، انہوں نے مزید اور کا بھی مطالبہ کیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے حکیم! یہ مال بظاہر شیریں چیز ہے؛ لیکن جس نے اسے دل کی بے نیازی کے ساتھ لیا، اس شخص کو اس مال میں برکت دی جائے گی اور جس نے اسے نفسانی خواہش کے ساتھ لیا تو اس کے لیے اس میں برکت نہیں ہوگی اور وہ شخص اس طرح ہوگا کہ اسے استعمال کرے گا؛ لیکن وہ سیر نہیں ہوگا''۔ اس پر انہوں نے قسم کھالی کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، میں آپ کے بعد کسی کا بھی احسان قبول نہیں کروں گا؛ چناں چہ انہوں نے آپ ﷺ کے بعد کبھی کسی کا احسان قبول نہیں کیا، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے دور کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور گذرے، وہ حضرات فتوحات کے مواقع پر آپ کو کوئی پیش کش کرتے تو آپ انکار فرمادیا کرتے تھے؛ لیکن اس کے باوجود آپ بڑے مال دار تھے، جس دن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور انہوں نے اپنے بیٹے کو اپنے قرضوں کی ادائیگی کی وصیت کی تو ایک لاکھ درہم کا قرضہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا نکلا۔

آپ کی مالی ثروت اور عزت وجاہ

''دارالندوہ'' (قریش کے لیے یہ گھر قائم مقام عدالت کے تھا، یہاں سردارانِ قریش کی مجالس ومحافل جما کرتی تھیں، اس جگہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس مکان میں کوئی ایسا شخص داخل نہیں ہوسکتا تھا، جس کی عمر چالیس سال سے کم ہو، سوائے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے کہ ان کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی، وہ اس گھر میں کفار ومشرکین کی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے،) انھیں کی ملکیت تھا، جو آپ علیہ الصلاۃ والسلام اور خلفائے راشدین کے زمانے میں آپ کے پاس ہی رہا، بعد ازاں! انہوں نے وہ ''دارالندوہ'' ایک لاکھ دراہم (اور ایک روایت کے مطابق چالیس ہزار دراہم) کے بدلے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کردیا، اس موقعے پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا کہ آپ نے تو قریش کی عزت (والی جگہ)

فروخت کردی، انہوں نے جواب میں فرمایا: بھتیجے! تقوی کے سوا تمام کے تمام کام ختم ہو گئے اور ہو جائیں گے، صرف تقوی ہی باقی رہے گا، اے بھتیجے! میں نے یہ مکان شراب کے ایک مشکیزے کے بدلے خریدا تھا، اب میں اس کے بدلے جنت میں گھر خریدوں گا، اے بھتیجے! تم گواہ رہو، میں نے اس گھر کے بدل میں ملنے والی رقم کو اللہ کی راہ میں دے دیا۔

آپ کی سخاوت

آپ سخاوت میں بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے، حضرت زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ ایک سال حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے حج کیا، ان کے ساتھ سو اونٹ اور سو بکریاں اور سو خدمت گزار تھے، جن کی گردنوں میں چاندی کے ہار تھے، جن پر لکھا ہوا تھا کہ یہ حکیم بن حزام کی طرف سے اللہ کی راہ میں آزاد کردہ غلام ہیں، پس آپ نے انھیں آزاد کر دیا اور تمام جانور انھیں ہدیہ دے دیے۔

آپ کا نام ونسب

آپ کا پورا نام ونسب: ''حکیم بن حزام بن خولید بن اسد'' ہے، آپ کے بیٹے کا نام ''خالد'' ہونے کی وجہ سے آپ کی کنیت ''ابو خالد مکی'' تھی۔ خاندانِ نبوی کے ساتھ بھی ان کا ایک رشتہ ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی سب سے پہلی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ان کی پھوپی تھیں۔

آپ کی عمر اور وفات

آپ نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی اور عجیب بات یہ کہ آپ کی زندگی کے ساٹھ سال کفر کی حالت میں گذرے اور ساٹھ سال اسلام کی حالت میں۔ آپ کی وفات کس سال میں ہوئی؟ اس بارے میں چار اقوال ملتے ہیں، ۵۰ ہجری، ۵۴ ہجری، ۵۸ ہجری اور ۶۰ ہجری۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (البداية والنهاية، سنة أربع وخمسين، حكيم بن حزام: ۶۸/۸، دار الفكر. الإصابة في تمييز الصحابة، ذكر من اسمه حكيم: ۱۱۲/۲، دار الجيل، بيروت)

بیت اللہ میں کس کس شخص کی پیدائش ہوئی؟

جیسا کہ ان صحابی رسول حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے بارے میں ذکر ہوا کہ ان کی

پیدائش بیت اللہ کے اندر ہوئی تھی، تو اسی طرح کوئی اور بھی شخص بیت اللہ کے اندر پیدا ہوا یا نہیں؟ اس بارے میں تتبع کتب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ راجح قول کے مطابق بیت اللہ کے اندر ان کے علاوہ کسی اور شخص کی ولادت نہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو:

"المستدرك على الصحيحين" میں مذکور ایک روایت کے راوی "حضرت مصعب بن عبداللہ رحمہ اللہ" حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے بیت اللہ کے اندر پیدا ہونے کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "ولم يُولَد قبلَه ولا بعدَه في الكعبة أحدٌ". کہ ان سے پہلے اور نہ ہی ان کے بعد کوئی بھی کعبہ میں پیدا نہیں ہوا۔ (المستدرك على الصحيحين، ذكر مناقب حكيم بن حزام القرشي رضى الله عنه، رقم الحديث: ۶۰۴۴، ۳/۵۵۰، دارالکتب العلمیہ)

اس کے علاوہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے بیت اللہ کے اندر پیدا ہونے کا ذکر امام مسلمؒ نے "صحیح مسلم" (رقم الحديث: ۱۵۳۲، كتاب البيوع، باب: الصدق في البيع والبيان) میں۔ علامہ مناویؒ نے "فیض القدیر" (رقم: ۱۲۶۰، ۲/۳۷) میں۔ علامہ ذہبیؒ نے "سیر اعلام النبلاء" (رقم الترجمۃ: ۱۲، حکیم بن حزام: ۳/۴۶) میں۔ علامہ ابن حبانؒ نے "الثقات" (رقم الترجمہ: ۲۲۵، ۳/۷۱) میں کیا ہے۔

نیز! کتب الرجال میں جہاں بھی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا ترجمہ موجود ہے، وہاں ان کے بارے میں یہ بات موجود ہے کہ وہ بیت اللہ کے اندر پیدا ہوئے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیت اللہ میں ولادت کی تحقیق

بعض حضرات نے خلیفہ رابع، امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ان کی پیدائش بھی بیت اللہ کے اندر ہوئی تھی، ملاحظہ ہو:

"امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں ایک روایت ذکر کی ہے، جس میں راوی حدیث مصعب بن عبداللہ رحمہ اللہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے بیت اللہ کے اندر پیدا ہونے کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "ولم يولد قبله ولا بعده في الكعبة أحد". کہ نہ ان سے پہلے اور نہ ہی انکے بعد کوئی بھی کعبہ میں پیدا ہوا۔ لیکن اس پر امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وَهِمَ مصعبٌ في الحرف الأخير، فقد تواترت الأخبار أن فاطمة بنت أسد ولدت أمير المؤمنين علي بن أبي طالب كرم الله وجهه في جوف الكعبة". کہ اس آخری بات میں

''مصعب'' کو وہم ہو گیا ہے، اس لیے کہ یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ فاطمہ بنت اسد نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بیت اللہ کے اندر جنم دیا ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین، ذکر مناقب حکیم بن حزام القرشی رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث:۶۰۴۴، ۳/۵۵۰، دارالکتب العلمیہ)

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''واز مناقب علي رضی اللہ عنہ کہ درحین ولادت او ظاہر شد یکی آن است کہ در جوف کعبہ معظّمہ تولد یافت. قال الحاكم في ترجمة حكيم بن حزام قول مصعب؛ فيه: "ولم يولد قبله ولا بعده في الكعبة أحد" مانصه: "وهم مصعب في الحرف الأخير، فقد تواترت الأخبار أن فاطمة بنت أسد ولدت أمير المؤمنين علي بن أبي طالب كرم الله وجهه في جوف الكعبة". (ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء: ٣٥٩/٦)

لیکن یہ بات دعوی بلا دلیل کی قبیل سے ہے؛ اس لیے کہ کتبِ احادیث یا کتبِ رجال میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی بھی شخص کے بیت اللہ میں پیدا ہونے کا ذکر موجود نہیں ہے، چہ جائیکہ اس بارے میں روایات یا آثار واخبار تواتر تک پہنچی ہوئی ہوں، حدِ تواتر تک پہنچ جانے والی روایات کو نہ تو امام حاکمؒ نے ذکر کیا اور نہ ہی کسی اور کتاب میں وہ ملتی ہیں۔

رہ گئی قائلین کی بات؛ تو وہ محض انہی قائلین کی بات ہے، جو بلا کسی سند کے ذکر کی گئی ہے۔ نیز قائلین میں سے تقریباً سب نے امام حاکم رحمہ اللہ کے قول کو بنیاد بناتے ہوئے اس بات کا ذکر کیا ہے، جب کہ علامہ سیوطی اور علامہ نووی رحمہما اللہ نے بالتصریح ان حضرات کی تردید فرمائی ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے امام حاکم رحمہ اللہ کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔

قال شيخ الإسلام: ولا يعرف ذٰلك لغيره، وما وقع في "مستدرك الحاكم" - من أن عليا وُلِدَ فيها - ضعيفٌ. (تدريب الراوي، النوع الستون: التواريخ والوفيات، فرع الثاني: صحابيان عاشا ستين سنة في الجاهلية: ٤٨٢/٢، دار العاصمة)

اور علامہ نوویؒ نے بھی امام حاکم رحمہ اللہ کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔

"قالوا: ولد حكيم [بن حزام] في جوف الكعبة، ولا يعرف أحد ولد فيها غيره، وأما ما روي أن علي ابن أبي طالب رضي الله عنه ولد فيها؛ فضعيف عند العلماء". (تهذيب الأسماء واللغات للنووي، حرف الحاء، حكيم بن حزام: ١٦٦/١، دارالكتب العلمية)

اس کے علاوہ علامہ حسین بن محمد الدِّیار البَکْري (المتوفی:۹۶۶ھ) نے تاریخ الخمیس میں ذکر کیا کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کعبہ میں پیدا ہوئے؛ لیکن یہ بات ثابت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو:"ویقال: ولادته في داخل الکعبة، ولم یثبت". (تاریخ الخمیس في أحوال أنفس النفیس، ذکر علي بن أبي طالبؓ: ۲/۲۷۵، دار صادر)

اسی طرح شرح نہج البلاغہ لابن عبدالحمید بن ھبۃ اللہ (المتوفی: ۶۵۶) میں مذکور ہے:

"واختلف في مولد علي [رضي الله عنه] أین کان؟ فکثیر من الشیعة یزعمون أنه ولد في الکعبة، والمحدثون لا یعترفون بذٰلك، ویزعمون أن المولود في الکعبة حکیم بن حزام بن خویلد بن أسد بن عبد العزی بن قصي". (شرح نهج البلاغة، القول في نسب أمیر المؤمنین علي بن أبي طالب وذکر لمع بسیرة من فضائله: ۱/۱۴، دار الجیل)

اسی طرح السیرة الحلبیة لعلي بن إبراهیم الحلبي (المتوفی: ۱۰۴۴ھ) میں مذکور ہے: " وکون علي .... ولد في الکعبة.........قیل الذي ولد في الکعبة حکیم بن حزام، قال بعضهم : لا مانع من ولادة کلیهما في الکعبة، لٰکن في النور: حکیم بن حزام ولد في جوف الکعبة، ولا یعرف ذٰلك لغیره، وأما ما روي أن علیاً ولد فیها، فضعیف عند العلماء". (السیرة الحلبیة، باب تزوجه صلی الله علیه وسلم خدیجة بنت خویلد: ۱/۲۰۲)

❁ ❁ ❁

عربی مخطوطات کی تحقیق کا منہج

ترجمہ: ''المنهج الأمثل لتحقيق المخطوطات''

از: مولانا محمد یاسر عبداللہ
خادم طلبہ جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی

''ڈاکٹر حاتم صالح ضامن (۱۹۳۸ء تا ۲۰۱۳ء) ماضی قریب میں عالم اسلام کے معروف محقق ومصنف، علوم قرآن وقراءت سے وابستگی رکھنے والے لائق وفائق اسکالر گزرے ہیں۔ مخطوطات کی تحقیق' شیخ کا امتیازی وصف تھا، شیخ نے اس فن کو اپنی کاوشوں سے معیاری اسلوب فراہم کیا ہے، جس نے اس میدان میں عراقی محققین کو ممتاز مقام عطا کیا ہے۔ شیخ نے اس اسلوب پر محققین کی ایک پوری جماعت تیار کی ہے۔ ''المنهج الأمثل لتحقيق المخطوطات'' کے نام سے اس مقالے میں اختصار کے ساتھ شیخ نے اپنے منہج تحقیق کی وضاحت کی ہے، جس سے ان کے اسلوب کی امتیازی خصوصیات سامنے آتی ہیں۔ تحقیق وتالیف سے وابستہ اُردو دان طبقے کے افادہ کے لیے اس مقالے کو اردو قالب میں ڈھال کر پیش کیا جارہا ہے۔'' (مترجم)

مخطوطات، امت کے علمی ترکے کا جزء اور اس کے تہذیبی وقومی وجود کی اہم دستاویزات ہیں، یہی وجہ ہے کہ امت نے مخطوطات کی حفاظت کا اہتمام کیا اور اس سلسلے میں گوناگوں راہیں نکالی ہیں۔

تحقیقِ مخطوطات کے پہلو سے ہم آج جن مسائل کا سامنا کررہے ہیں، ہمارے قدیم علماء ان میں بہت سے مسائل کا حل پیش کرچکے ہیں، مثلاً:

نسخوں کا تقابل، اغلاط کی اصلاح، حذف وسقط اور زیادتی واضافے کا حل، ایک جیسے حروف کو ممتاز کرنا، حواشی لکھنا، علاماتِ ترقیم اور رموز واختصارات، مصادر وماٰخذ کا ذکر وغیرہ۔

مستشرقین کو ہمارے علمی ترکے کی نشر واشاعت میں سبقت حاصل ہے، انھوں نے (اپنے تئیں) تحقیقِ مخطوطات کا منہج ترتیب دے کر اسی کے مطابق کام کیا ہے۔ عربوں نے بھی تحقیقِ

نصوص کا آغاز کیا تو بہت سی نفیس کتابیں منظرِ عام پر آئیں۔ نیز یونیورسٹیوں کی جانب سے اعلیٰ ڈگریوں کے حصول کے لیے تحقیقِ تراث کا دَروا ہونے کے بعد تو یہ رجحان زیادہ مضبوط ہوا ہے۔ بغداد یونیورسٹی کے ''کلیۃ الآداب'' میں ماسٹر اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے ''تحقیقِ نصوص'' کا موضوع داخلِ نصاب کرنے کا شرف مجھے حاصل ہے، جو نظری اور عملی دونوں پہلوؤں سے پڑھایا جارہا ہے۔

عراقی محققین کے اسلوبِ تحقیق کی خصوصیات

گزشتہ ربع صدی سے متقدمین اور متأخرین علماء کے مناہج سے واقفیت کی روشنی میں، میں کہہ سکتا ہوں کہ دیگر ممالک کی بہ نسبت ہماری تحقیقات منفرد خصوصیات کی حامل ہیں، جن میں سے چند درجِ ذیل ہیں:

۱- تخریج کے مصادر و مآخذ میں زمانی تسلسل کی رعایت

اس لیے کہ متقدمین کو فضیلت حاصل ہے اور متأخرین بھی اخبار میں انھیں پر اعتماد کرتے ہیں۔ ایک معروف محقق کی کتاب نظر سے گزری، جس میں ایک شعر کی تخریج میں یوں لکھا تھا:

"خزانة الأدب، الأغاني، طبقات فحول الشعراء".

محقق موصوف نے زمانی ترتیب کی رعایت نہیں رکھی تھی، انھیں یوں تخریج کرنی چاہیے تھی:

"طبقات فحول الشعراء، الأغاني، خزانة الأدب".

(زمانی تسلسل کا لحاظ اس بنا پر ضروری ہے) کہ ابن سلام کی وفات ۲۳۲ھ میں، ابوالفرج اصفہانی کی ۳۶۲ھ میں اور عبدالقادر بغدادی کا وصال ۱۰۹۳ھ میں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنی تحقیقات میں مصادر کا ذکر کرتے ہوئے ہر مصنف کے سنِ وفات کا بالتزام تذکرہ کیا ہے اور اپنے طلبہ پر بھی اُسے لازم قرار دیا ہے۔

۲- اشعار وارجاز کی تخریج میں محقق مطبوعہ دواوین یا مجموعوں پر اکتفا اور اختلافِ روایت کی صورت میں اس کی طرف اشارہ

واضح بات ہے کہ ان تمام مصادر کا ذکر کرنے کی چنداں ضرورت ہی نہیں جن میں وہ شعر آیا ہے، وہ تو بہت زیادہ ہوتے ہیں اور ان کا احاطہ بھی ناممکن ہے۔

ہمارے بہت سے محقق بھائیوں نے اس نکتے سے اختلاف کیا ہے؛ لیکن ہم نے اسی انداز کا التزام کیا ہے اور ہم اس سے ہرگز پیچھے نہ ہٹیں گے۔ ہمارے شیخ معتمد محقق محمود محمد شاکر (م: ۱۴۱۸ھ-

۱۹۹۷ء) نے ایک نجی خط میں اس منہج کو پسندیدہ قرار دیتے ہوئے ان لوگوں کو ''جاہل محققین'' سے موصوف کیا ہے جو (بلاسبب) زیادہ تخریج کرتے ہیں۔انھوں نے ایک چھوٹے سے رسالے میں مذکور ایک شعر کی طرف اشارہ بھی کیا، جہاں محقق نے ستر کتابوں سے شعر کی تخریج کر ڈالی تھی؛ حالانکہ شیخ نے لکھا ہے کہ "والبیت فی دیوانہ" وہ شعر خود شاعر کے دیوان میں موجود ہے۔اس کتاب اور محقق کا نام ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ ہمارا مقصود یہ نہیں ہے۔

۳- تراجم کے لیے قدیم اور مخصوص مصادر کی جانب رجوع

بعض لوگ محض خیرالدین زرکلیؒ (م: ۱۹۷۶ء) کی "الأعلام" یا عمر رضا کحالہؒ (م:۱۴۰۸ھ) کی "معجم المؤلفین" کی طرف اشارے پر اکتفا کرتے ہیں، سہولت پسند محققین کا یہی منہج ہے۔ایک اور قسم کے محققین الل ٹپ کبھی "الأعلام" کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو کبھی "کشف الظنون" کی جانب، کبھی "میزان الاعتدال" کا ذکر کرتے ہیں تو کبھی "خزانة الأدب" کا، یہ انداز درست نہیں۔

ہمارا منہج جو ہمارے خیال میں منفرد منہج ہے، درجِ ذیل ہے:

تراجمِ صحابہؓ کے لیے ان کتابوں کی مراجعت جو مستقل طور پر ان کے تراجم کے لیے لکھی گئی ہیں، مثلاً:

(۱) " معجم الصحابةؓ": ابن قانعؒ (م:۳۵۱ھ)

(۲) " معرفة الصحابةؓ": ابونعیم اصفہانیؒ (م:۴۳۰ھ)

(۳) "الاستیعاب": ابن عبدالبرؒ (م:۴۶۳ھ)

(۴) "أسد الغابة": ابن اثیرؒ (م:۶۳۰ھ)

(۵) "الإصابة": ابن حجرؒ (م:۸۵۲ھ)

مفسرین کے حالات کے لیے ان کے تراجم کے ساتھ خاص کتب کی طرف رجوع، مثلاً:

(۱) "طبقات المفسرین": سیوطیؒ (م:۹۱۱ھ)

(۲) " طبقات المفسرین": داؤدیؒ (م:۹۴۵ھ)

(۳) " طبقات المفسرین": (ادنہ ویؒ)

محدثین اور راویانِ حدیث کے تراجم کے لیے ان کے حالات کے ساتھ خاص کتب کی مراجعت، جو الحمدللہ بہت ہیں، بہ طور مثال بلاحصر ملاحظہ فرمائیے:

(۱) "التاریخ الکبیر": امام بخاریؒ (م:۲۵۶ھ)

(۲) "تهذیب الکمال": مزیؒ (م:۷۴۲ھ)

(۴) " تهذیب التهذیب": ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ)

محدثین میں سے ضعفا کے لیے کتبِ ضعفا کی جانب رجوع، مثلاً:

(۱) "کتاب الضعفاء": بخاریؒ (م:۲۵۶ھ)

(۲) " کتاب الضعفاء": نسائیؒ (م:۳۰۳ھ)

(۳) " کتاب الضعفاء": دارقطنیؒ (م:۳۸۵ھ

(۴) "کتاب الضعفاء": ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ)

اسی طرح مجروح راویوں سے متعلق کتابیں، جیسے: "المجروحین" ابن حبانؒ (م:۳۵۴ھ) وغیرہ۔

مذاہبِ اربعہ کے فقہاء کے حالات کے لیے شافعیہ، حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے طبقات کے ساتھ خاص کتب کی مراجعت، جو بحمداللہ بہت سی ہیں۔

شیعہ علماء ورجال کے لیے ان کے ساتھ خاص کتابوں کی طرف رجوع، جیسے کشی (م:۳۴۰ھ)، نجاشی (م:۴۵۰ھ) اور طوسی (م:۴۶۰ھ) کی شیعہ رجال کے متعلق کتابیں، اور "روضات الجنات" خوانساری (م:۱۳۱۳ھ)

قراء کے تراجم کے لیے ان کے متعلق کتب کی مراجعت، مثلاً:

(۱) " معرفة القراء الکبار": ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ)

(۲) " غایة النهایة فی طبقات القراء": ابن جزریؒ (م:۸۳۳ھ) جو اس باب میں سب سے وسیع تر کتاب ہے اور بہت سے قراء کے تراجم میں منفرد ہے۔

اہلِ تصوف کے حالات کے لیے طبقات الصوفیۃ سے متعلق کتابوں کی طرف رجوع، جیسے:

(۱) " طبقات الصوفیة": سلمیؒ (م:۴۱۲ھ)

(۲) " طبقات الصوفیة": ابن ملقنؒ (م:۸۰۴ھ)

(۳) " لواقح الأنوار فی طبقات الأخیار": شعرانیؒ (م:۹۷۳ھ)

نحویوں اور لغویوں کے تراجم کے لیے ان کے حالات کے ساتھ خاص کتب کی مراجعت، جیسے:

(۱) "مراتب النحویین": ابوطیب لغویؒ (م:۳۵۱ھ)

(۲) "أخبار النحويين البصريين": سیرافیؒ (م:۳۶۸ھ)
(۳) "طبقات النحويين واللغويين": ابوبکر زُبیدیؒ (م:۳۷۹ھ)
(۴) "اِنباه الرواة علٰی أنباء النحاة": قفطیؒ (م:۶۴۶ھ)
(۵) "بغية الوعاة فی طبقات اللغويين والنحاة": سیوطیؒ (م:۹۱۱ھ)

شعراء کے تراجم کے لیے ان کے حالات پر لکھی گئی کتب کی جانب رجوع، جیسے:

(۱) "طبقات فحول الشعراء": ابن سلّام (م:۲۳۱ھ)
(۲) "طبقات الشعراء المحدثين": ابن معتز (م:۲۹۶ھ)
(۳) "المؤتلف والمختلف": آمدی (م:۳۷۰ھ)
(۴) "معجم الشعراء": مرزبانی (م:۳۸۴ھ)
(۵) "الأغانی": ابوالفرج اصفہانی (م بعد:۳۶۰ھ)

نسب، کنیت اور لقب کی تحقیق کے لیے کتبِ انساب وکُنی والقاب کی مراجعت، مثلاً:

(۱) "المؤتلف والمختلف": ابن حبیب (م:۲۴۵ھ)
(۲) "الكُنٰى والاسماء": دُولابی (م:۳۱۰ھ)
(۳) "جمهرة أنساب العرب": ابن حزم (م:۴۵۴ھ)
(۴) "الإكمال": ابن ماکولا (م:۴۸۶ھ)
(۵) "الأنساب": سمعانی (م:۵۶۲ھ) وغیرہ۔

۴- زیرِ تحقیق کتاب میں کسی مقام کے ضبط یا معنی کے سمجھنے کے لیے اس پہلو سے خاص کتب کی طرف رجوع

چنانچہ کسی مشکل کلمہ کے معنی کے لیے معاجم عربیہ کی جانب مراجعت، جو بحمد اللہ بہت ہیں اور ہر طالب علم پر ان کے مناہج کی پہچان لازم ہے، ان میں سے بعض خلیل بن احمد (م:۱۷۵ھ) کی "العين" کی ترتیب کے مطابق ہیں، بعض جوہری (م:۳۹۳ھ) کی "الصحاح" کے منہج کے موافق ہیں، بعض زمخشری (م:۵۳۸ھ) کی "أساس البلاغة" کے طرز پر ہیں اور بعض منفرد انداز کی حامل ہیں، جیسے: ابنِ دُرید (م:۳۲۱ھ) کی "جمهرة اللغة"، ابن فارس (م:۳۹۵ھ) کی "المجمل" اور "مقاييس اللغة"۔

قراءات کی معرفت کے لیے کتبِ قراءات کی مراجعت

محقق کے لیے لازم ہے کہ وہ قراءاتِ سبعہ، قراءاتِ عشرہ اور قراءاتِ اربع عشرہ سے واقف ہو، اور اسے شاذ قراءتوں کی معرفت بھی حاصل ہو؛ تاکہ قراءات کے ساتھ خاص کتب کی طرف رجوع کر سکے، جیسے:

(۱) " شواذ القراءات": ابن خالویہ (م:۳۷۰ھ)

(۲) " المحتسب": ابن جنی (م:۳۹۲ھ)

(۳) " شواذ القراءات": کرمانی (م بعد:۵۶۳ھ)

(۴) " إعراب القراءات الشواذ": عُکبری (م:۶۱۶ھ)

قرآنِ کریم کے کسی کلمہ کی وجوہ کی پہچان کے لیے "کتبُ الوجوہ والنظائر فی القرآن الکریم" **کی جانب رجوع کیا جائے، مثلاً:** مقاتل بن سلیمان اور ہارون بن موسیٰ قاری (م ق:۱۷۰ھ) کی کتابیں، یحییٰ بن سلام (م: ۲۰۰ھ) کی "التصاریف"، اور ابن جوزی (م:۵۹۷ھ) کی کتاب۔

قرآن کریم کے مشکل الفاظ کی معرفت کے لیے "کتبِ غریب القرآن" کی مراجعت کی جائے، مثلاً: یزیدی (م: ۲۳۷ھ)، ابن قتیبہ (م:۲۷۶ھ)، ابن عزیر سجستانی (م: ۳۳۰ھ) اور راغب اصفہانی (م:۴۵۰ھ) کی کتب۔

قرآن کے کسی کلمہ کے اعراب کے لیے "کتبِ اعراب القرآن" کی جانب رجوع کیا جائے، جیسے: نحاس (م: ۳۳۸ھ)، ابنِ خالویہ (م: ۳۷۰ھ)، مکی قیسی (م: ۴۳۷ھ)، عُکبری (م:۶۱۶ھ)، منتجب ہمذانی (م:۶۴۳ھ) اور سمین حلبی (م:۷۵۶ھ) کی کتابیں۔

حدیث کی معرفت کے لیے کتبِ حدیث کی مراجعت کی جائے، مثلاً: سب سے پہلے "صحیح البخاری" (م: ۲۵۶ھ)، پھر " صحیح مسلم" (م: ۲۵۱ھ)، پھر امام ابن ماجہؒ (م:۲۷۵ھ)، امام ابوداؤدؒ (م: ۲۷۵ھ)، امام ترمذیؒ (م:۲۷۹ھ) اور امام نسائیؒ (م:۳۰۳ھ) کی " کتبُ السنن"، اور دیگر کتبِ حدیث: "موطا امام مالك "(م:۱۷۹ھ) اور "مسند أحمد بن حنبل" (م:۲۴۱ھ) وغیرہ۔

البتہ موضوع احادیث کے لیے جداگانہ و مستقل کتابیں ہیں، مثلاً:

(۱) "الموضوعات ": ابن جوزیؒ (م :۵۹۷ھ)، (۲) "اللآلی المصنوعة فی

الأحاديث الموضوعة“: سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ)، (۳) ”الفوائد المجموعة فی الأحاديث الموضوعة“ شوکانیؒ (م:۱۲۵۰ھ)

احادیث وآثار کے کسی غریب کلمہ کی تحقیق کے لیے ”کتبِ غریبُ الحدیث“ کی طرف رجوع کیا جائے، جیسے: ابوعبیدؒ (م:۲۲۴ھ)، ابن قتیبہؒ (م:۲۷۶ھ)، حربیؒ (م:۲۸۵ھ) اور خطابیؒ (م:۳۸۸ھ) کی کتابیں، زمخشری (م:۵۳۸ھ) کی ”الفائق“ اور ابن اثیر (م:۶۰۶ھ) کی ”النهاية فی غريب الحديث والأثر“۔

نباتات کے متعلق کسی کلمے کی معرفت کے لیے کتبِ نباتات کو دیکھا جائے، مثلاً: اصمعی (م:۲۱۶ھ) اور ابن قتیبہ دینوری (م:۲۸۲ھ) کی کتابیں۔

اضداد میں سے کسی کلمہ کی پہچان کے لیے کتبِ اضداد کی مراجعت کی جائے جو دس کے قریب ہیں اور ان میں قدیم تر قطرب (م:۲۱۰ھ) کی کتاب ہے۔

مشترک لفظی کلمات کی تحقیق کے لیے اس باب کی کتب دیکھی جائیں، جیسے: ”ما اتفق لفظهٗ واختلف معناه“ کے نام سے یزیدی (م:۲۲۵ھ)، ابوعُمَیثل (م:۲۴۰ھ) اور ابن شَجَری (م:۵۴۲ھ) کی کتابیں۔

مترادف الفاظ کی تحقیق کے لیے اس قبیل کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے، جیسے: ”مااختلفت ألفاظهٗ واتفقت معانيه“ کے نام سے اصمعی (م:۲۱۶ھ)، ابن سِکّیت (م:۲۴۴ھ)، ہمذانی (م:۳۲۰ھ)، قدامہ بن جعفر (م:۳۳۷ھ) اور رُمانی (م:۳۸۴ھ) کی کتابیں۔

کلماتِ ضادیہ یا ظائیہ کی معرفت کے لیے اس باب کی کتب کی مراجعت کی جائے، جو الحمدللہ بہت ہیں، ”کتب الضاد والظاء“ کے سلسلے کی تیرہ کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔

مذکر اور مؤنث کلمات کی پہچان کے لیے اس باب کی کتابیں دیکھی جائیں، ان میں سے تقریباً دس کتابیں چھپ چکی ہیں، جن میں سے قدیم تر فراء (م:۲۰۷ھ) کی کتاب ہے۔

مقصور وممدود الفاظ کی تحقیق کے لیے اس قبیل کی کتب کی طرف رجوع کیا جائے، جو ابن دُرید (م:۳۲۱ھ) اور ابن مالک (م:۶۷۲ھ) کی منظومات کے علاوہ بھی اُنیس ہیں۔

مثلثِ لغوی کلموں کی معرفت کے لیے اس بارے میں لکھی گئی کتابیں دیکھی جائیں، جو منظومات کے علاوہ سات ہیں، قدیم تر کتاب قطرب (م:۲۱۰ھ) کی ہے۔

مثنی کلمے کی پہچان کے لیے اس موضوع کی دو مطبوعہ کتابوں کی مراجعت کی جائے: "المثنی" ابو طیب لغوی (م ص ۳۵۱ھ) اور "جنی الجنتین فی تمییز المثنتین" مجی (م:۱۱۱۱ھ)

ایسے کلمات جن میں عوام غلطی کر جاتے ہیں، ان کی تحقیق کے لیے "لحن العامة" یعنی لغوی تصحیحات پر لکھی گئی کتب کی جانب رجوع کیا جائے، جن میں سے قدیم تر کسائی (م:۱۸۹ھ) کی کتاب ہے، اور کل نو کتب طبع ہو چکی ہیں۔

مصحف و محرف کلمہ کی تحقیق کے لیے کتبِ تصحیف و تحریف دیکھی جائیں، مثلاً: "التنبیه علی حدوث التصحیف" حمزہ اصبہانی (م:۳۶۰ھ)، "التنبیه علی أغالیط الرواة" علی بن حمزہ بصری (م: ۳۷۵ھ) اور " شرح مایقع فیه التصحیف والتحریف" ابو احمد عسکری (م:۳۸۲ھ)۔

معرب کلمے کی پہچان کے لیے اس باب کی کتب کی مراجعت کی جائے، جیسے: "المعرب" جوالیقی (م:۵۴۰ھ)، "شفاء الغلیل فیما فی کلام العرب من الدخیل" شہاب الدین خفاجی (م:۱۰۶۹ھ) اور " قصد السبیل فیما فی العربیة من الدخیل" مجی (م:۱۱۱۱ھ)۔

انسان کی خلقت سے متعلق کسی بات کی معرفت کے لیے اس نوع کی کتابیں دیکھی جائیں، مثلاً: اصمعی (م:۲۱۶ھ)، زجاج (م:۳۱۱ھ)، ثابت بن ابی ثابت اور اسکافی (م:۴۲۰ھ) کی کتب۔

ازمنہ اور انواء کی پہچان کے لیے اس باب کی کتب کی طرف رجوع کیا جائے، جیسے: فراء (م:۲۰۷ھ)، قطرب (م بعد:۲۱۰ھ)، ابن قتیبہ (م:۲۷۶ھ)، مرزوقی (م:۴۲۱ھ) اور ابن اجدابی (م قبل:۴۷۰ھ) کی کتابیں۔

کسی جگہ کی تعیین یا کسی شہر کے نام کی تحقیق کے لیے درجِ ذیل کتابیں دیکھی جائیں: "معجم مااستعجم" بکری (م:: ۴۸۷ھ)، "الأماکن" حازمی (م :۵۸۴ھ)، "معجم البلدان" یاقوت (م:۶۲۶ھ) اور "الروض المعطار" حمیری (م:۷۲۷ھ)۔

کسی ضرب المثل کی معرفت کے لیے کتبِ امثال کی طرف رجوع کیا جائے، میری معلومات کے مطابق اس موضوع پر ستر ہ کتابیں ہیں، قدیم تر کتاب مفضل ضبی (م قبل:۱۷۸ھ) کی ہے۔

کسی نحوی مسئلے کی تحقیق کے لیے کتبِ نحو کی مراجعت کی جائے، جو الحمدللہ بہت ہیں۔

نحو کے کسی اختلافی مسئلے کے لیے اس موضوع میں تالیف کی گئی کتب دیکھی جائیں، جیسے: "الإنصاف فی مسائل الخلاف" ابو برکات انباری (م:۵۷۷ھ)، " التبیین عن مذاهب النحویین البصریین والکوفیین" عکبری (م:۶۱۶ھ) اور "إئتلاف النصرة فی اختلاف نحاة الکوفة والبصرة" شرجی زَبیدی (م:۸۰۲ھ)۔

فنونِ بلاغت میں سے کسی فن کی معرفت کے لیے کتبِ بلاغت کی جانب رجوع کیا جائے، جو بحمداللہ بہت ہیں۔

اسلامی فرقوں میں سے کسی فرقے کی پہچان کے لیے اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کی مراجعت کی جائے، مثلاً: " الفَرق بین الفِرَق" عبدالقاہر بغدادی (م:۴۲۹ھ)، " الفِصل فی المِلل والأهواء والنِحل" ابن حزم اندلسی (م:۴۵۶ھ) اور "المِلل والنِحل" شہرستانی (م:۵۴۸ھ)۔

۵- اقوال کی تخریج ان کے قائلین کی کتابوں سے ہو اگر وہ مطبوع ہوں، اور اگر وہ کتب ہم تک نہ پہنچی ہوں تو دیگر مصادر سے ان کی توثیق

اقوال اور نصوص کی ان کے قائلین کی کتب سے تخریج کو اہمیت دینے سے محقق کو عبارت کی توثیق اور ضبط میں مدد ملتی ہے، بہ طورِ مثال میں کہتا ہوں:

نیسان (جولائی) ۱۹۷۳ء میں، میں نے دس نسخوں کو سامنے رکھ کر مکی بن ابو طالب (م:۴۳۷ھ) کی کتاب "مشکل إعراب القرآن" کی تحقیق مکمل کی، اس کتاب میں خلیل (م:۱۷۵ھ)، سیبویہ (م:۱۸۰ھ)، فراء (م:۲۰۷ھ) اور مبرد (م:۲۸۵ھ) کی کتب سے عبارات منقول ہیں؛ میں نے ان سب عبارتوں کی تخریج کی؛ حالانکہ سیبویہ کی کتاب سے ان کے اور خلیل کے اقوال کی تخریج میں مجھے بہت مشقت جھیلنی پڑی؛ اس لیے کہ شیخ عضیمہؒ کی فہرست ۱۹۷۵ء میں چھپی ہے، اسی طرح سیبویہ کی "الکتاب" پر عبدالسلام ہارون (م:۱۴۰۸ھ) کی فہرست بھی ۱۹۷۷ھ میں طبع ہوئی ہے۔ ان نقول کے تقابل کے دوران مکی کی کتاب میں کافی اضطراب ملا، وہ کبھی خلیل کے قول کو سیبویہ کی طرف اور کبھی سیبویہ کے قول کو خلیل کی جانب منسوب کردیتے ہیں۔ میں نے تحقیق کے دوران حواشی میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ڈیڑھ سال بعد دمشق سے " مشکل إعرب القرآن" چھپ کر سامنے آئی، کسی محقق نے اس کی اشاعت میں جلد بازی سے کام لیا تھا؛ چنانچہ موصوف نے سیبویہ اور خلیل کے چھیالیس اقوال کو یونہی

(بلاتحقیق) چھوڑ دیا؛ حالانکہ وہ سیبویہ کی کتاب میں موجود ہیں، بنابریں اضطراب یونہی بلا اشارہ قائم رہا؛ اس لیے کہ خود محقق کو اس کا ادراک ہی نہ تھا۔ علمی تحقیق میں یہ چیز خلل کا باعث بنتی ہے۔ اسی طرح محقق نے مبرد کے ایسے چودہ اقوال کو بھی بلا تخریج چھوڑ دیا تھا جو ان کی کتاب "المقتضب" میں موجود ہیں، اسی طرح فراء کے چار اقوال کی تخریج بھی نہیں کی تھی؛ حالانکہ وہ ان کی کتاب "معانی القرآن" میں مذکور ہیں۔ ایک بااعتماد محقق جو اپنا کام عمدگی سے پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتا ہو، اس کے لیے اقوال کی تخریج میں صبر سے کام لینا نہایت ضروری ہے۔

۶- حواشی کو بوجھل نہ کرنا اور عبارت کو درست صورت میں ضبط کر کے سامنے لانا

اپنے سے پہلی نسل کی تحقیقات سے واقفیت ہوئی تو عجیب وغریب چیزیں دکھائی دیں۔ ایک طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حالات دو صفحوں میں ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تین صفحوں میں، مزید اسی پر قیاس کر لیجیے، اور ادھر کچھ شعراء کے حالات کئی صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، جن میں محقق، شاعر کی شخصیت، اس کے اشعار کے فنون اور مثالوں سے بحث کر رہا ہے۔ نیز موجودہ مطبوعہ کتب کے حواشی میں ایسی بہت سی عبارتیں ہیں، جو دیگر طبع شدہ کتابوں سے نقل کی گئی ہیں، یہ بلاضرورت حواشی کو بوجھل بنانا ہے۔ تحقیق، کتاب کی شرح کا نام نہیں؛ بلکہ ہمیں اختصار کے ساتھ توثیق وتخریج، صحیح شکل میں عبارت کے ضبط، اور مؤلف کے مطابق سالم صورت میں نص کو سامنے لانے کی ضرورت ہے، ساتھ ساتھ محض التباس کا احتمال رکھنے والے الفاظ کی شرح ہو۔

۷- تخریج اور حوالہ جات میں علمی تحقیق کے ساتھ طبع شدہ کتب پر اعتماد اور دیگر طبعات سے بے اعتنائی

بے شمار کتابیں بلاتحقیق چھاپ دی جاتی ہیں اور ان میں بہت سی تصحیفات اور تحریفات رہ جاتی ہیں؛ لیکن جب وہی کتابیں علمی تحقیق کے ساتھ طبع ہو جائیں تو پھر (دورانِ تحقیق وتخریج) انہی پر اعتماد ضروری ہے اور محقق کے لیے تحقیق شدہ ایڈیشنوں کے حاصل نہ ہونے کا بہانہ کوئی دلیل نہیں، لہٰذا شیخ محمود محمد شاکر (م: ۱۴۱۸ھ- ۱۹۹۷ء) کی تحقیق کے ساتھ عبدالقاہر جرجانی (م: ۴۷۱ یا ۴۷۴ھ) کی "دلائل الإعجاز" اور "أسرار البلاغة" منظرِ عام پر آنے کے بعد علمی پہلو سے ان دونوں کتابوں کے سابقہ ایڈیشن ناقابلِ اعتبار ٹھہرتے ہیں۔ اسی طرح قزاز (م: ۴۱۲ھ) کی کتاب "مایجوز للشاعر فی الضرورة" دوبار پہلے تیونس میں اور پھر اسکندریہ میں طبع ہوئی ہے؛ لیکن قاہرہ سے جو تیسرا طبع آیا تو اس نے پہلے دو کو گرا دیا ہے۔ انہی وجوہ کی بنا پر ہمارے ہاں اگر طالبِ علم

علمی تحقیق کے ساتھ شائع شدہ طبعات پر اعتماد نہ کرے تو اس سے باز پرس کی جاتی ہے۔

۸- علمی دیانت اور نص کا احترام

یہ ایک اہم قضیہ ہے جس کی بنا پر ہم بہت مشقت اٹھا رہے ہیں۔ ہمیں ایسی تحقیقات سے سابقہ پڑتا ہے، جن کے ناشرین نے قلم کی باگ چھوڑ رکھی ہے، وہ نص میں من مانا تصرف کرتے ہوئے جیسے چاہیں تقدیم وتاخیر اور اضافہ وحذف کرتے ہیں۔ بعض تو اس حد تک تجاوز کر گئے ہیں کہ نہایت بودے دلائل کو بنیاد بنا کر کتاب کا نام ہی بدل ڈالا، پھر اسی کتاب کو دوسرے نام سے چھاپ دیا۔ میں ایسے ناشر کو محقق نہیں کہتا، یہ علم کی بجائے تجارتی نفع کا خواہشمند ہے، تحقیق سے اسے کوئی سروکار نہیں، فإلى الله المشتكىٰ!

مثلاً: دامغانی (م: ۴۷۸ھ) کی کتاب "الوجوه والنظائر فی القرآن الكريم" کو عبدالعزیز سید الاہل نے چھاپا ہے، جس میں بہت سے ایسے اضافات ہیں جو اصل کتاب میں نہیں، مؤلف کی ترتیب کو بدل کر کتاب کا نام "إصلاح الوجوه والنظائر فی القرآن الكريم" رکھ دیا ہے، چہ جائے کہ اس کی نسبت میں وہم ہو، یہ ایک ناقابلِ اعتبار طبع ہے، جسے وقعت نہیں دی جاسکتی۔

شیخ عرفان بن سلیم عشا حسونہ نے "تهذيب معانی القرآن وإعرابه" چھاپی اور مقدمے میں لکھا: ''مجھے خیال آیا کہ میں اس کتاب سے زجاج کی ذکر کی گئی چیزیں حذف کردوں؛ تاکہ کتاب عیب دار عبارات سے خالی ہوجائے''۔ سبحان اللہ! کیا کہنے! یہ ناشر صاحب زجاج کی ترتیب پر معترض ہیں اور اس میں تبدیلی وحذف اس لیے چاہتے ہیں کہ اس کے دل میں یہ ''خیال'' آیا ہے، انھیں کیا خبر کہ علمی دیانت اور تحقیق کا تقاضا یہ ہے کہ کتاب کو مصنف کی ترتیب کے مطابق جوں کا توں پیش کیا جائے۔

ایک اور عجیب وغریب مثال ملاحظہ ہو: کرمانی (م: ۵۰۵ھ) کی کتاب "البرهان فی متشابه القرآن لما فيه من الحجة والبيان" کو عبدالقادر احمد عطا نے تین بار نہایت گھٹیا انداز میں چھاپا ہے، پہلی بار اس کا نام "أسرار التكرار فی القرآن" تھا، اور ناشر کا کہنا تھا کہ سہولت کی بنا پر اس نام کی جانب اس کا میلان ہوا ہے اور اس نے مؤلف کا رکھا ہوا نام اس لیے ترک کردیا ہے کہ لوگ متشابہ کے معنی سے ناواقف ہیں، یہ طبع تیونس کا تھا، پھر انھیں عیوب کے ساتھ دوبارہ "البرهان فی توجيه متشابه القرآن لمافيه من الحجة والبيان" کے نام سے دوسرا ایڈیشن

شائع کیا، اور مؤلف کے رکھے ہوئے نام میں لفظِ "توجیہ" کا اضافہ کیا، یہ بیروتی طبع تھا۔ تیسری بار مصر میں چھاپا تو ٹائٹل پر عنوان یوں تھا: "أسرار التكرار فی القرآن المسمی البرهان فی توجيه متشابه القرآن لما فيه من الحجة والبيان"۔ بخدا! یہ علم نہیں تجارت ہے اور اس غلط بیان ناشر نے اسی انداز سے کئی اور کتابیں بھی شائع کی ہیں۔ اللہ اس سے درگزر کرے، اس نے علم اور اہلِ علم کے ساتھ برا سلوک کیا۔

بہرکیف، یہ ایک مشکل منہج ہے جس میں محقق کو بہت سے مصادر کی جانب مراجعت کرنا پڑتی ہے، جو بعض اوقات اس کی دسترس میں بھی نہیں ہوتے۔ ہم نے اپنے طلبہ کو اعلیٰ تعلیم میں اسی منہج کا پابند کیا ہے؛ تاکہ وہ تحقیق پر قادر اور ہر باب کے مصادر سے آگاہ ہوکر نکلیں، وہ وسیع آفاق کے حامل ہوں، علمی ترکے میں جدید کی اتباع کریں، ان کے اور جدیدیات کے درمیان اس ربط سے تحقیق کی پختگی اور اس پر قدرت میں گہرا اثر ہوتا ہے۔

تحقیق کوئی آسان کام نہیں، جیسے نادان لوگ اس کا تصور پیش کرتے ہیں، بلکہ یہ ایک مشکل اور تھکا دینے والا عمل ہے، اپنی قابلِ قدر علمی میراث کے احیاء کی حرص ہی ہے جس نے ہمیں ان مشکلات پر غالب کر رکھا ہے۔ فالحمد لله الذی هدانا لهذا، و ماكنا لنهتدی لولا أن هدانا الله !

ہمارے نزدیک یہ ایک بہترین منہج ہے، جس میں ہم نے بہت سی صعوبتوں کا سامنا کیا، بہت سے دشمن مقابلے میں آئے؛ لیکن الحمدللہ! تیس سال کے طویل عرصے سے ہم اسے پھیلانے میں کامیاب ہیں اور صرف عراق میں ہی نہیں؛ بلکہ تیونس میں اور الجزائر میں جہاں باتنہ، قسطنطنیہ اور عاصمہ میں تین ادارے کھل چکے ہیں اور ان کا نگران (سلف کے) علمی ترکے کا شیدائی ہمارا ہی ایک طالب علم ہے۔ آج ہم اس پُرامن شہر میں ہیں جس کے باسی خوش وخرم ہیں۔ امید ہے کہ ہم اپنے طلبہ وطالبات کو اس میراث کے احیاء کے لیے تیار کرنے میں کامیاب رہیں گے، جو ہماری گردنوں پر ایک امانت ہے۔ والله الموفق!

❁ ❁ ❁

شکیل بن حنیف کا فتنہ — قادیانیت کی نئی صورت

از: الیاس نعمانی

شکیل بن حنیف، دربھنگہ، بہار کے موضع عثمان پور کا رہنے والا ایک شخص ہے، جس نے چند برس قبل، جب کہ وہ دہلی میں تھا، مہدی ہونے اور پھر مہدی و مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور اس طرح ایک نئی قادیانیت کی داغ بیل ڈالی، اس نے پہلے دہلی کے مختلف محلوں میں اپنی مہدویت و مسیحیت کی تبلیغ کی؛ لیکن ہر جگہ سے اسے کچھ دنوں کے بعد ہٹنا پڑا، پہلے محلّہ نبی کریم کو اس نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، اور پھر لکشمی نگر کے دو مختلف علاقوں میں یکے بعد دیگرے رہ کر اپنے مشن کو چلا، دہلی کے زمانۂ قیام میں اس نے بالخصوص ان سادہ لوح نوجوانوں کو اپنا نشانہ بنایا جو دہلی کے مختلف تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے؛ لیکن جیسے ہی لوگوں کو اس کی حرکتوں کی اطلاع ہوتی، وہ اس کے خلاف ایکشن لیتے اور اسے اپنا ٹھکانہ تبدیل کرنا پڑتا، بالآخر اسے دہلی سے ہٹنے کا فیصلہ کرنا پڑا، اور اس نے اپنی بود و باش مہاراشٹر کے ضلع اورنگ آباد میں اس طرح اختیار کرلی کہ 'کسی' نے اس کے لیے ایک پورا علاقہ خرید کر ایک نئی بستی بسا دی، جس میں وہ اور اس کے ''حواری'' رہتے ہیں۔

ملک کے مختلف حصوں میں اس جھوٹے مہدی و مسیح کی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ برسوں سے خاصی تیزی کے ساتھ جاری ہے، دہلی، بہار، مہاراشٹر و آندھرا پردیش وغیرہ میں اس کے فتنہ میں اچھی خاصی تعداد میں لوگ آچکے ہیں، اور الحمدللہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ لوگوں نے اس کے تعاقب کی فکر بھی شروع کردی ہے۔

ہم سمجھتے تھے کہ یوپی اس فتنہ سے محفوظ ہے، اور اب تک یہاں شکیلیوں نے اپنے پاؤں نہیں پھیلائے ہیں؛ لیکن معلوم ہوا کہ ہم ناواقف تھے، یوپی میں؛ بلکہ لکھنؤ میں بھی کچھ لوگ اس فتنہ کے داعی بن کر تقریباً ڈیڑھ برس سے سرگرم ہیں، اور بڑی راز داری؛ لیکن تیز رفتاری کے ساتھ اپنی

سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں، اور افسوس کہ ان کے فتنہ کا شکار ہمارے کچھ سادہ لوح نوجوان بن بھی رہے ہیں؛ بلکہ غالباً تھوڑے وقفے سے لکھنؤ ومشرقی یوپی کے مختلف اضلاع کے چند افراد اس فتنہ کا شکار ہوکر اس جھوٹے مسیح ومہدی کے ہاتھ پر بیعت کرنے جارہے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی پوری سرگرمی کے ساتھ خفیہ انداز میں تحریک چلانے میں کامیاب ہیں کہ وہ ہمارے علاقہ میں ہمارے نوجوانوں پر محنت کررہے ہیں اور ہم کو خبر تک نہیں، ہماری ناواقفی یا بے خبری کی یہ صورت حال تشویش ناک ہے، اور ہمیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔

اس فتنہ کی دعوت اور اس کے داعیوں کا طریقۂ کار

ان لوگوں کا طریقۂ کار یہ ہے کہ یہ خفیہ طور پر کسی نوجوان سے رابطہ کرتے ہیں، یہ نوجوان عام طور پر کسی کالج یا یونیورسٹی کا ایسا طالب علم ہوتا ہے کہ جس کا کسی عالم، دینی جماعت یا دینی تنظیم سے کوئی رابطہ نہ ہو، یہ پہلے اس سے عام دینی گفتگوئیں کرتے ہیں، اور چونکہ اس فتنہ کے تمام داعی اپنا حلیہ ایسا بنائے پھرتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر ہر شخص یہی محسوس کرے کہ یہ متبعِ سنت قسم کے دین دار نوجوان ہیں، مثلاً لمبی داڑھیاں رکھتے ہیں، لباس میں لمبے کرتے اور اونچی شلوار کا اہتمام کرتے ہیں، گفتگو میں بار بار الحمدللہ، سبحان اللہ، ماشاء اللہ، ان شاء اللہ اور ان جیسے دیگر الفاظ کی کثرت رکھتے ہیں؛ اس لیے وہ سادہ لوح اور ناواقف نوجوان ان سے بہت زیادہ متاثر ہوجاتا ہے، اور انہیں بہت دین دار سمجھنے لگتا ہے، اپنی بابت یہ تاثر قائم کرنے کے بعد یہ اپنے مخاطب سے علاماتِ قیامت کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کا مصداق نئے انکشافات، نئی ایجادات اور معاصر دنیا کے بعض حالات وواقعات کو قرار دیتے ہیں، اس درمیان یہ بہت ہوشیاری کے ساتھ یہ کوشش بھی کرتے ہیں کہ اپنے مخاطب کے ذہن میں علماء کی تصویر ایسی بنادیں کہ وہ ان کی کسی بات کی تصدیق علماء سے کرانے کی ضرورت نہ سمجھے، مثلاً یہ کہتے ہیں کہ علماء کو ان علامات قیامت کا کچھ علم نہیں ہوتا؛ اس لیے کہ انھیں زمانۂ طالب علمی میں یہ حدیثیں پڑھائی ہی نہیں جاتیں، انھیں بس حدیث کی کتابوں کے چند منتخب ابواب پڑھادیے جاتے ہیں، جن کا تعلق نماز، روزہ جیسے مسائل سے ہوتا ہے؛ تاکہ یہ کسی مسجد کے امام یا کسی مدرسہ کے مدرس بن سکیں۔ انکا مخاطب جواب تک ان کے دین دار ہونے کا تاثر رکھتا ہے، یہ باتیں سن کر ان کو دین کا ایسا ماہر بھی سمجھنے لگتا ہے کہ جو علما سے زیادہ دین کو جاننے والا ہے، اور اب اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ یہ اسے جو بتادیں وہ اس پر یقین کرلے۔

اس کے بعد انھیں باور کراتے ہیں کہ دجال کی آمد ہوچکی ہے، وہ امریکا وفرانس کو دجال

بتاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں جو یہ بتایا تھا کہ دجال کی پیشانی پر 'کافر' لکھا ہوگا اس سے آپ ﷺ کا اشارہ یہی دونوں ممالک تھے؛ اس لیے کہ جب ان دونوں کا نام ایک ساتھ لکھا جائے (امریکا فرانس) تو بیچ میں کافر لکھا ہوا ہوتا ہے، دجال کی ایک آنکھ ہونے کا مصداق وہ سیٹلائٹ کو قرار دیتے ہیں، بعض روایات میں دجال کے بارے میں ہے کہ وہ ایک گدھا ہوگا، یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد فائٹر پلین ہے، اور اسی طرح کی کچھ اور باتیں کرتے ہیں۔

دجال کی بابت اپنی ایسی گفتگوؤں کے بعد داعیانِ شکیلیت یہ کہتے ہیں کہ دجال کی آمد کے بعد مہدی ومسیح کو آنا تھا، اور وہ آچکے ہیں، اور اب نجات کا بس یہی ایک ذریعہ ہے کہ ہم ان کے ہاتھ پر بیعت کرلیں، اگر مخاطب بہت سادہ لوح ہوتا ہے اور یہ خواہش ظاہر کرتا ہے کہ مجھے بھی اس 'سفینۂ نجات' میں سوار ہونا ہے تو اسے (عام طور پر) پہلے صوبائی امیر کے پاس بھیجا جاتا ہے، مثلاً یوپی میں بنارس بھیج دیا جاتا ہے، جہاں بنارس ہندو یونیورسٹی میں زیر تعلیم ایک نوجوان سے اس کی ملاقات ہوتی ہے، یہ صاحب یوپی میں اس جھوٹے مہدی ومسیح کے مشن کے امیر بتائے جاتے ہیں، اور پھر کچھ دنوں کے بعد اورنگ آباد بھیج کر شکیل کے ہاتھ پر بیعت کرادی جاتی ہے؛ لیکن اس بات کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے کہ بیعت سے پہلے اس جھوٹے مہدی ومسیح کا اصلی نام سامنے نہ آئے، یہاں تک کہ لوگوں کے دریافت کرنے پر بھی یہ لوگ اس کا اصلی نام نہیں بتاتے ہیں؛ تاکہ اگر یہ شخص کہیں کسی سے تذکرہ کر بھی دے تو بھی لوگوں کو معلوم نہ ہو پائے کہ یہ کس 'مسیح' کی دعوت دی جارہی ہے۔

==========

ذیل کی سطروں میں دجال اور حضرت مہدی وحضرت عیسیٰؑ کی بابت صحیح احادیث میں بتائی گئی چند علامتوں کا تذکرہ کرکے شکیلی فتنہ کے دعووں کا جائزہ لیا جارہا ہے؛ تاکہ یہ بات بالکل واضح ہوجائے کہ شکیل بن حنیف جھوٹا ہے، حضرت مہدی وحضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس کو وہی نسبت ہے جو رات کو روز روشن سے۔

شکیلی دجال بمقابلہ حقیقی دجال

دجال کی بابت شکیلیوں کا دعوی اتنا بدیہی غلط ہے کہ کوئی بھی آدمی جسے اللہ نے عقل سلیم سے نوازا ہو انھیں صحیح مان ہی نہیں سکتا، اور اس لیے اس سلسلہ میں کسی تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں ہے،

لیکن پھر بھی اتنا عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دجال کی بابت جو کچھ بتایا ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک انسان ہی ہوگا، دوممالک کا مجموعہ یا سیٹلائٹ یا فائٹر پلین نہیں، آپ ﷺ نے اس کا حلیہ بھی بالکل واضح طور پر بتادیا ہے، مثلاً بخاری کی ایک حدیث (۱۰۷۰، کتاب ذکر الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم) میں ہے کہ آپ کو خواب میں دجال دکھایا گیا، تو وہ ایک سرخ رنگ کا موٹا شخص تھا، اس کے بال گھنگھریالے تھے، داہنی آنکھ سے کانا تھا، یہاں تک کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ قبیلۂ خزاعہ کے ایک آدمی ابن قطن کے مشابہ تھا، ان واضح نشانیوں کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ کوئی بھی عقل مند شخص یہ کہے کہ دجال ایک شخص نہ ہوکر دوممالک کا مجموعہ ہے، اور اس کی آنکھ سیٹلائٹ ہے۔

علامات مہدی کی روشنی میں شکیل کا جائزہ

احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ دو الگ الگ شخصیات ہیں، جب کہ شکیل غلام احمد قادیانی کی طرح اس بات کا دعوے دار ہے کہ وہ بیک وقت مہدی بھی ہے اور مسیح بھی، ظاہر ہے کہ یہی ایک بات اس کے جھوٹے ہونے کے لیے کافی ہے۔

حضرت مہدی کی بابت رسول اکرم ﷺ کی حدیثوں میں متعدد علامتیں بیان کی گئی ہیں، ذیل میں ہم ان میں سے چند کا تذکرہ کریں گے، اور پھر ان کی روشنی میں شکیل کا جائزہ لیں گے:

۱- رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا کہ حضرت مہدی کا نام محمد اور ان کے والد کا نام عبداللہ ہوگا، (ابوداود: ۴۲۸۲، کتاب المہدی)، جب کہ شکیل، شکیل بن حنیف ہے، محمد بن عبداللہ نہیں۔

۲- رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتایا تھا کہ مہدی آپ کی ہی نسل سے ہوں گے، اور ان کا سلسلۂ نسب حضرت فاطمہ تک پہنچے گا، (ابوداود: ۴۲۸۴، کتاب المہدی)۔ جب کہ شکیل کا اس خاندان اور نسل سے کوئی تعلق نہیں، وہ تو ہندوستانی نسل کا ہی ہے۔

۳- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مہدی روشن پیشانی کے ہوں گے یعنی گورے رنگ کے ہوں گے، (ابوداود: ۴۲۸۵، کتاب المہدی)، جب کہ شکیل ایسا نہیں ہے۔

۴- رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتایا تھا کہ ان سے پہلے دنیا بھر میں ظلم وناانصافی کا راج ہوگا، اور وہ ظلم کا خاتمہ کرکے دنیا میں عدل وانصاف کا بول بالا کردیں گے، (ابوداود: ۴۲۸۲، کتاب المہدی) جب کہ شکیل کے دعوائے مہدویت کو دس برس سے زائد کا عرصہ گزر گیا ہے، اور اس عرصہ میں دنیا میں ظلم وناانصافی بڑھی ہی ہے، کم نہیں ہوئی ہے۔

۵- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکمراں بھی ہوں گے، (ابوداود: ۴۲۸۵، کتاب المہدی)، اور شکیل حکمرانی کا تو خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔

۶- احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ محمد بن عبداللہ مہدی کے منصب پر فائز ہونے کے بعد زیادہ سے زیادہ نو برس رہیں گے (ترمذی: ۲۲۳۲، ابواب الفتن، باب بعد باب ماجاء فی المہدی)، جن میں سے سات برس وہ حکومت فرمائیں گے، (ابوداود: ۴۲۸۵، کتاب المہدی) شکیل بن حنیف کے دعوائے مہدویت کو دس برس سے زائد کا عرصہ گزر گیا ہے اور ابھی تک نہ اس کا انتقال ہوا ہے اور نہ اس کی حکومت قائم ہوئی ہے۔

شکیل اور حضرت عیسیٰؑ

حضرت عیسیٰؑ کی اس دنیا میں دوبارہ تشریف آوری کی بابت بھی قرآن اور حدیث میں کچھ ایسی واضح باتیں بتادی گئی ہیں کہ جن کو سامنے رکھ کر شکیل وقادیانی جیسے ہر جھوٹے کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے، ذیل میں ایسی ہی چند علامتیں درج کی جاتی ہیں:

۱- اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی آمد کے سلسلہ میں آں حضرت ﷺ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے، اس سے یہ بات بالکل قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ وہ وہی عیسی بن مریم علیہا السلام ہوں گے جو بنی اسرائیل کے نبی تھے، اور جن کی والدہ حضرت مریم تھیں اور جو بغیر والد کے پیدا ہوئے تھے، صحیح بخاری وصحیح مسلم سمیت حدیث کی متعدد کتابوں میں ایسی کئی روایتیں پائی جاتی ہیں، جن میں قیامت کے قریب آپ کی آمد کا تذکرہ ہے اور آپ کا نام عیسیٰ بن مریم ہی لیا گیا ہے، ان میں سے چند روایتیں ابھی آپ پڑھیں گے۔ اور مہدی وعیسی ہونے کا یہ دعوے دار شکیل بن حنیف ہے، ہندوستان کے ایک علاقہ سے تعلق رکھتا ہے، یہ وہ عیسیٰ بن مریم نہیں ہے جو بنی اسرائیل کے نبی تھے اور جو بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور جن کی والدہ کا نام مریم تھا۔

۲- حضرت عیسی کی دوبارہ آمد کے سلسلہ میں متعدد احادیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اتریں گے (مثلا ملاحظہ ہو: بخاری: ۲۲۲۲، کتاب البیوع، باب قتل الخنزیر)؛ جب کہ یہ شکیل بن حنیف عثمان پور نامی ایک گاؤں میں اپنے والد حنیف کے یہاں پیدا ہوا ہے، آسمان سے نہیں اترا ہے۔

۳- صحیح بخاری وصحیح مسلم کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں ابن مریم انصاف پسند حکمراں بن کر ضرور نازل ہوں گے،

صلیب کو توڑ دیں گے (یعنی آپ کی آمد کے بعد سارے عیسائی مسلمان ہوجائیں گے، اور صلیب کی عبادت ختم ہوجائے گی)، خنزیر (کی نسل) کو قتل کردیں گے....، اور مال و دولت کی ایسی فراوانی ہوگی کہ کوئی صدقات قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔ (بخاری: ۲۲۲۲، کتاب البیوع، باب قتل الخنزیر، مسلم: ۶/۱۵۵ ۲۴۷، کتاب الایمان، باب نزول عیسی بن مریم)۔

اب ذرا اس حدیث کی روشنی میں شکیل کا جائزہ لیجیے، وہ نہ اب تک حکمراں بنا ہے اور نہ حکمرانی کا کوئی ارادہ رکھتا ہے، وہ تو اورنگ آباد، مہاراشٹر کے پاس کی ایک بستی میں چھپا بیٹھا ہے، اور وہاں سے نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا، اور اس نے نہ کبھی کوئی صلیب توڑی ہے اور نہ کسی عیسائی نے اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے، نہ خنزیروں کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے آنے کے بعد دنیا میں مال و دولت کی فراوانی ہوئی ہے اور نہ غربت کا خاتمہ ہوا ہے کہ صدقات لینے والا کوئی نہ ملے۔

۴- قرآن مجید نے سورہ نساء کی آیت (۱۵۹) میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت عیسی کی وفات سے پہلے تمام اہلِ کتاب (یہودی وعیسائی) مسلمان ہوجائیں گے: ”وان من اهل الكتاب الا ليومنن به قبل موته“ اور شکیل کے ہاتھ پر اب تک ایک بھی عیسائی اسلام نہیں لایا۔

ان کے علاوہ حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰؑ کی بابت اور بھی علامتیں یا پیشین گوئیاں حدیث کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں؛ لیکن قرآن وصحیح احادیث میں مذکور یہی چار علامتیں شکیل کے دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں، اس مختصر سے مضمون میں مزید کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے۔

اس فتنہ کا مقابلہ کیسے ہو؟

یہ فتنہ چونکہ بہت راز داری کے ساتھ پھیلایا جارہا ہے؛ اس لیے عام طور پر جب کسی علاقہ کے خادمانِ دین کو اپنے علاقے کے بارے میں علم ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں اس فتنہ کے داعی سرگرم ہیں، تو اس وقت تک بہت تاخیر ہوچکی ہوتی ہے اور کئی نوجوان اس کی بھینٹ چڑھ چکے ہوتے ہیں، خود لکھنؤ میں اس فتنہ کے سرگرم ہونے کی اطلاع تب ملی جب اس کو ایک سال کا عرصہ گزر چکا تھا، دہلی، بہار، مہاراشٹر، گجرات اور یوپی سمیت ملک کے جس حصہ میں بھی اس فتنہ کی سرگرمی کی آج اطلاع ہے ان تمام مقامات پر خادمانِ دین کو جب اس فتنہ کی موجودگی وسرگرمی کی اطلاع ملی تو کافی دیر ہوچکی تھی؛ اس لیے کسی بھی علاقہ میں اس انتظار میں نہیں رہنا چاہیے کہ جب ہمارے یہاں فتنہ کی آمد کی خبر ملے گی تو پھر فکر کریں گے؛ اس لیے کہ عین ممکن ہے کہ کسی علاقہ میں

یہ سرگرم ہو اور ہمیں اس کی خبر نہ ہو، صورتِ حال کی خطرناکی کا اس سے اندازہ کیجیے کہ جن علاقوں کے سلسلے میں یہ اطمینان تھا کہ یہاں یہ فتنہ موجود نہیں ہے، وہاں کے ائمۂ مساجد نے بھی جب اپنی مسجدوں میں اس مسئلہ پر گفتگو کی تو کچھ نوجوانوں نے ان میں سے کچھ ائمہ کو بتایا کہ اس طرح کے لوگوں نے ہم سے بھی رابطہ کیا ہے؛ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ کسی بھی علاقہ کے سلسلہ میں اطمینان نہ کیا جائے، اور پہلے سے ہی عوام کو اس فتنہ سے آگاہ کیا جائے؛ تاکہ اگر یہ فتنہ آپ کے علاقہ میں نہ پہنچا ہو تو اس کی آمد کو روکا جاسکے، اور اگر خدانخواستہ پہنچ گیا ہو تو اس کا ازالہ کیا جاسکے۔

اس فتنہ کے مقابلہ کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ ہر علاقہ کی تمام مساجد میں جمعہ کی نماز کے موقع پر اس سلسلہ میں گفتگو کرکے لوگوں کو اس فتنہ سے آگاہ کیا جائے، اسی طرح ہم ان لوگوں کو فتنہ سے آگاہ کرسکتے ہیں جن کو اس فتنہ کے داعیان اپنا مخاطب بناتے ہیں، نماز جمعہ کے علاوہ ان لوگوں کا کوئی رابطہ کسی دینی راہ نمائی کے نظام سے نہیں ہوتا ہے، اگر ہر علاقہ کے سرگرم خادمانِ دین اپنے اپنے علاقہ کی فکر کرلیں اور یہ کوشش کرلیں کہ ان کے علاقہ کی ہر مسجد میں نمازِ جمعہ سے قبل اس طرح کی گفتگو کرلی جائے تو امید ہے کہ اس فتنہ کو روکا جاسکے گا۔

ہمارے یہاں عام طور پر کسی فتنہ کی فکر اس وقت کی جاتی ہے؛ جب اس کے شکار ہزاروں لاکھوں لوگ ہوجاتے ہیں، اور اس وقت فتنہ اپنے پاؤں اتنے جماچکا ہوتا ہے کہ اس کو ختم کرنا مشکل ہوچکا ہوتا ہے، قادیانیت کے سلسلہ میں بھی ایسا ہی ہوا تھا؛ اس لیے اس نئی قادیانیت کا تعاقب ابھی سے کرنا لازمی وضروری ہے، ورنہ بعد میں یہ فتنہ اگر تناور درخت بن گیا تو پھر اس کا خاتمہ ویسے ہی ناممکن ہوجائے گا، جیسے قادیانیت کا ہوگیا ہے۔ ع

جا گوز مانہ چال قیامت کی چل گیا

❁ ❁ ❁

خیر الکلام فی کشف أوهام الأعلام

(۵)

از: مولانا مفتی عمر فاروق لوہاروی
شیخ الحدیث دارالعلوم، لندن

یہ بحث ''حَدَّثَ'' میں نہیں، ''قال'' میں کرنی ہے

❁ "صحیح بخاری" میں ہے:

حَدَّثَنِیْ محمدُ بنُ عَبدِ الرّحیم قال: حَدَّثَنَا حفصُ بنُ عُمَرَ أبُو عُمَرَ الْحَوضِیُّ قال: حَدَّثَنَا حَمّادُ بنُ زیدٍ قال: حَدّثنا أیّوبُ والحَجّاجُ الصَّوَّافُ قال: حَدَّثَنِی أبُو رجاءٍ مولیٰ أَبِی قِلَابَةَ... (صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قصة عکل وعوینة، ص:۶۰۲، ج:۲، قدیمی: کراچی)

''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ محمد بن عبدالرحیم سے، وہ حفص بن عمر ابوعمر الحوضی سے، وہ حماد بن زید سے، وہ ایوب اور حجاج صوّاف سے، وہ ابوقلابہ کے آزاد کردہ غلام ابورجاء سے روایت کرتے ہیں کہ ابورجاء مولیٰ ابی قلابہ نے مجھ سے بیان کیا....''

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معتمد نسخوں میں "حَدَّثَنِیْ" بصیغۂ مفرد واقع ہوا ہے، حالاں کہ ماقبل میں دو راویوں کا ذکر ہے، قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ تثنیہ کی ضمیر کے ساتھ "حَدَّثَانِیْ" کہا جاتا۔

قولہ: حدثنی أبو رجاء کذا وقع فی النسخ المعتمدة حَدَّثَنِیْ بالإفراد مع أن المذکور قبله اثنان، و کان القیاس أن یقال: حَدَّثَنِیْ بضمیر التثنیة. (عمدة القاری، ص:۲۳۲، ج:۱۷، دارإحیاء التراث العربی: بیروت)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ اس میں اصل "حَدَّثَانِیْ" بصیغۂ تثنیہ ہے۔

.... (حَدثنا أیوب) السختیانی (والحجاج) بن أبی عثمان میسرة البصری (الصواف قال حدثنی) بالإفراد (أبو رجاء) سلیمان (مولی أبی قلابة) عبد اللّٰه بن

زید و کان الأصل حدثانی بالتثنیة. (إرشاد الساری، ص:۲۱۲، ج:۹، العلمیة: بیروت)

بندہ کہتا ہے:

ان حضرات کو یہاں وہم ہوا ہے، ماقبل میں دورُواۃ: ایوب اور الحجاج الصَّوّاف کا ذکر یقیناً ہوا ہے، اب اگر ان دونوں راویوں کے ذکر کے بعد "قَالَ" لفظوں میں موجود ہے، تو اس کے متعلق ضرور کہا جائے گا کہ اس میں جو ضمیر ہوگی، وہ دو راویوں کی طرف لوٹے گی؛ لہٰذا اس میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تثنیہ کی ضمیر کے ساتھ "قَالَا" ہونا چاہیے؛ لیکن جہاں تک لفظ "حَدَّثَ" کا تعلق ہے، تو اس کا فاعل تو آگے "أبو رجاءٍ مولٰی أبی قلابة" مذکور ہے؛ اس لیے اس میں اصل وقیاس کا تقاضا "حَدَّثَ" بصیغۂ مفرد ہی ہے۔ "حَدَّثَ" کو تثنیہ کی ضمیر کے ساتھ "حَدَّثَا" کہنا اصول وقیاس کے خلاف ہوگا۔

الغرض تثنیہ کا صیغہ لانے کی بحث "حَدَّثَ" میں نہیں، "قَالَ" میں کرنی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بہ وقت غزوۂ اُحد سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی عمر میں واقع وہم

❁ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

..... الصحیح أنّ مولده (أی مولد سهل بن سعد الساعدی رضی اللّٰه عنه) قبل الهجرة بخمس سنین، فیکون فی أُحُد ابن عشرة أو إحدی عشرة. (فتح الباری، کتاب المغازی، باب غزوة خیبر، ص:۵۳۹، ج:۷، دارالریان: القاهرة)

''.....صحیح یہ ہے کہ ان (سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ) کی پیدائش ہجرت سے پانچ سال قبل ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد کے موقع پر دس یا گیارہ سال کے ہوں گے۔''

بندہ کہتا ہے:

یہ وہم ہے؛ کیوں کہ غزوۂ اُحد سن ۳ ہجری میں پیش آیا اور سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بقول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ صحیح قول کے مطابق ہجرت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئے، تو غزوۂ اُحد کے موقع پر دس یا گیارہ سال کے نہیں ہوں گے؛ بل کہ کم وبیش آٹھ سال کے ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

أبو بکرة میں بکرة کو باء موحدہ مضموم کے ساتھ ضبط کرنا وہم ہے

❁ حضرت مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب قادری داناپوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۷۴-۱۹۴۸ء) "اصح السیر" میں غزوۂ طائف کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس کے بعد حضور ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ کوئی غلام اگر قلعہ سے نکل کر میرے

پاس چلا آئے، تو وہ آزاد ہے؛ چناں چہ قلعہ سے بیس غلام کے قریب نکل کر لشکرِ اسلام میں آ گئے۔ حضور ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا اور مختلف صحابہ کے سپرد کیا کہ اُن کے خرچ کا خیال رکھیں اور اُن کی خبر داری کریں۔ اُن میں ایک شخص وقت بکرہ (حاشیہ میں خود حضرت مولانا دانا پوری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا: بُکرہ بائے موحدہ مضموم: صبح کا وقت) یعنی صبح بڑے سویرے آئے تھے؛ اس لیے وہ أبوبُکرہ مشہور ہوگئے۔ یہ اخیار اور مشاہیر اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے ہیں، ان کا نام نُفَیع بضم نون وفتح فا ہے۔'' (أصح السیر، ص: ۲۹۰، دار الکتاب: دیوبند)

بندہ کہتا ہے:

أبوبکرة میں بکرة کو باء موحدہ مضموم کے ساتھ ضبط کرنا وہم ہے۔ درحقیقت بکرة باء موحدہ مفتوح کے ساتھ ہے، جو چرخی کے معنی میں ہے۔ حضرت أبو بکرة نُفَیْع بن مسروح رضی اللّٰہ عنه غزوۂ طائف کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہونے والے اعلان پر طائف کے قلعہ سے چرخی کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ اور لشکر اسلام کی طرف آئے تھے؛ اس لیے وہ أبوبَکرة یعنی چرخی والے سے مشہور ہوگئے۔ حافظ ابن ماکولا (۴۲۲-قیل ۴۸۷ھ) "الإکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف فی الأسماء والکنی والأنساب" میں فرماتے ہیں:

أما بکرة وفتح الباء فهو أبو بکرة صاحب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، اسمه نُفَیْع. (الإکمال، ص: ۳٤۹، ج: ۱، العلمیة: بیروت)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۳-۷۴۸ھ) "العِبَر فی خَبر مَن غَبَر" میں فرماتے ہیں:

تدلّی من الطائف ببکرة، فأتی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم مُسلمًا. (العبر فی خبر من غبر، ص: ٤۱، ج: ۱، العلمیة: بیروت) واللّٰه تعالیٰ أعلم

سعد بن معاذ نہیں؛ بل کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما

❁ ''صحیح بخاری'' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قال ناسٌ مِنَ الأنصارِ - حِیْن أفاءَ اللّٰهُ علی رسولِهٖ صلی اللّٰه علیه وسلم مَا أفاءَ مِنْ أموالِ هَوَازِنَ، فَطَفِقَ النبیُّ صلی اللّٰه علیه وسلم یُعْطِیْ رِجالًا المائةَ مِنَ الإبِلِ فَقَالُوْا: یَغْفِرُ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم یُعْطِیْ قریشًا ویَتْرُکُنا، وسُیُوْفُنا تَقْطُرُ

مِنْ دِمائِهم، قال أنسٌ: فَحُدِّثَ رسولُ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم بِمَقَالَتِهِمْ... (صحيح بخاری، كتاب المغازی، باب غزوة الطائف، ص:٦٢٠، ج:٢، قديمی: كراچی)

''جس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہوازن کے اموال بطورِ غنیمت دیے، جو دیے اور نبی ﷺ کچھ لوگوں کو سو سو اونٹ دینے لگے، تو کچھ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی مغفرت فرمائے، آپ قریش کو دے رہے ہیں اور ہم کو چھوڑ رہے ہیں، یعنی ہم کو نہیں دیتے؛ حالاں کہ ہماری تلواروں سے ان کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کو ان انصار کی بات کی اطلاع دی گئی....''

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وعند ابن إسحٰق من حديث أبی سعيد أن الذی أخبره صلى اللّٰه عليه وسلم سعد بن معاذ. (إرشاد الساری، ص:٣١١، ج:٩، العلمية: بيروت)

''ابن اسحاق کی حضرت ابوسعید (خدری) رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ (ان انصار کی بات کی) اطلاع دی، وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں۔''

بندہ کہتا ہے:

یہاں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر اشکال سے خالی نہیں؛ کیوں کہ آپ بنوقریظہ کے متعلق اپنا فیصلہ سنانے کے بعد غزوۂ احزاب میں لگنے والے تیر کے زخم کی وجہ سے مشہور قول پر ۵ھ میں وفات پاچکے تھے، جیسا کہ "الإستيعاب" ص:١٦٨، ج:٢ اور "الإصابة" ص:٣٧، ج:٢ وغیرہ میں ہے اور حدیث بالا میں مذکور قصہ ۸ھ کا ہے؛ لہٰذا اس موقع پر سعد بن معاذ کا ذکر علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کی سبقتِ قلم ہے یا سہوِ کاتب ہے، سعد بن معاذ کی بجائے سعد بن عُبادہ ہونا چاہیے، جیسا کہ "فتح الباری" ص:٦٤٧، ج:٧ اور "عمدة القاری" ص:٣٠٩، ج:١٧ میں ابن اسحٰق کی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث کے حوالے سے مذکور ہے۔ دارالكتب العلمية: بيروت کی مطبوعہ "السيرة النبوية" لابن إسحاق میں ہے:

قال ابن إسحاق: وحدثنی عاصم بن عمر بن قتادة، عن محمود بن لبيد، عن أبی سعيد الخدری، قال: لما أعطى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ما أعطى من تلك العطايا فی قريش وفی قبائل العرب، ولم يكن فی الأنصار منها شیء، وجد هذا

الحی من الأنصار فی أنفسهم، حتی کثرت منهم القالة، حتی قال قائلهم: لقد لقی واللّٰه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قومه، فدخل علیه سعد بن عبادة، فقال: یا رسول اللّٰه، إن هذا الحی من الأنصار قد وجدوا علیك فی أنفسهم. (السیرة النبویة لابن إسحاق، ص:۵۸۷، ج:۲، دارالکتب العلمیة: بیروت) واللّٰه تعالیٰ أعلم.

''ابوداؤد'' کنیت کے مصداق ہشام بن عبدالملک نہیں؛ بل کہ سلیمان بن داؤد ہیں

❁ ''صحیح بخاری'' میں ہے:

وقال وکیع والنضر وأبوداؤد عن شعبة عن سعید عن أبیه عن جده عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم. (صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث أبی موسی ومعاذ إلی الیمن قبل حجة الوداع، ص:۶۲۳، ج:۲، قدیمی: کراچی)

مذکورہ رُواۃ میں ''أبوداؤد'' کنیت کا مصداق علامہ عینی، علامہ قسطلانی اور شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہم اللہ نے ''ہشام بن عبدالملک'' کو قرار دیا ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و وصل تعلیق أبی داؤد هشام بن عبدالملك الطیالسی فی مسنده المروی من طریق یونس بن حبیب عنه. (عمدة القاری، ص:۴، ج:۱۸، دارإحیاء التراث العربی: بیروت)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(وأبوداؤد) هشام بن عبدالملك. (إرشاد الساری، ص:۳۲۳، ج:۹، العلمیة: بیروت)

ہمارے دیار کی مطبوعہ ''صحیح بخاری'' کے نسخوں کے حاشیے میں قسطلانی کے حوالے سے یہی منقول ہے؛ البتہ قدیمی کتب خانہ کراچی کے نسخے میں کتابت کی غلطی سے ''ہشام بن عبدالملک'' کی بجائے ''ہشام وعبدالملک'' ہوگیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: حاشیہ:۲، ص:۶۲۳، ج:۲)

شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(وأبوداؤد) هو هشام بن عبدالملك. (منحة الباری، ص:۴۳۲، ج:۷، الرشد: الریاض)

بندہ کہتا ہے:

یہ علامہ عینی، علامہ قسطلانی اور شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہم اللہ کا وہم ہے کہ انھوں نے ''ابوداؤد'' کنیت کا مصداق ''ہشام بن عبدالملک'' کو قرار دیا؛ کیوں کہ ہشام بن عبدالملک طیالسی کی کنیت ''ابوداؤد'' نہیں؛ بل کہ ''ابوالولید'' ہے۔ درحقیقت ''ابوداؤد'' کنیت کے مصداق ''سلیمان بن داؤد طیالسی'' ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ''تہذیب التہذیب'' میں فرماتے ہیں:

هشام بن عبدالملك الباهلى مولاهم، أبوالوليد الطيالسى البصرى الحافظ الإمام الحجة. (تهذيب التهذيب، ص:٥٤، ج:٩، دارالفكر: بيروت)

أبو الوليد الطيالسى، اسمه: هشام بن عبد الملك الباهلى البصرى. (تهذيب التهذيب، ص:٣٠٤، ج:١٠، دارالفكر: بيروت)

سليمان بن داؤد بن الجارود، أبو داؤد الطيالسى البصرى الحافظ. (تهذيب التهذيب، ص:٤٦٩، ج:٣، دارالفكر: بيروت)

أبوداؤد الطيالسى، اسمه: سليمان بن داؤد. (تهذيب التهذيب، ص:٩٩، ج:١٠، دارالفكر: بيروت)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اپنی شرح ''کواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری'' المعروف بہ ''شرح الکرمانی'' میں ''ابوداؤد'' کنیت کا مصداق سلیمان (بن داؤد) طیالسی ہی کو قرار دیا ہے، ''شرح الکرمانی'' میں ہے:

و﴿أبوداؤد﴾ هو سليمان الطيالسى. (شرح الكرمانى، ص:١٧٠، ج:١٦، داراحياء التراث العربى: بيروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''فتح الباری'' میں ''ابوداؤد'' کے نام سے تعرض ہی نہیں کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: فتح البارى، ص:٦٦١، ج:٧، دارالريان: القاهرة.)

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نہیں، نیز ایک اور وہم

❁ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۳ھ) ''فتح الباری'' میں ''باب حجۃ الوداع'' کے ذیل میں فرماتے ہیں:

وعند الترمذى من حديث جابر "حَجَّ قَبْلَ أنْ يُهاجِرَ ثَلاثَ حِجَجٍ" وعَنِ ابنِ عباسٍ مِثلُه أخْرَجَهُ ابنُ ماجَةْ والحاكمُ. (فتح البارى، كتاب المغازى، باب حجة الوداع، ص:٧٠٧، ج:٧، دارالريان: القاهرة)

''امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے: حجَّ قَبْلَ أنْ يُهاجِرَ ثلاثَ حِجَجٍ. ''رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے پہلے تین حج کیے'' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح حدیث مروی ہے، جس کی تخریج ابن ماجہ اور حاکم رحمہما اللہ نے فرمائی ہے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا کلام بعینہٖ ان کے حوالے کے بغیر بلا تعقب

”الکنز المتواری فی معادن لامع الدراری وصحیح البخاری، ص: ۵۱۰، ج:۱۵، مکتبة الحرمین: دوبئی میں منقول ہے۔

بندہ کہتا ہے:

حافظ الدنیا: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو یہاں وہم ہوگیا اور حدیث جابر عند الترمذی مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ نقل فرمادی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مانند قرار دی، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے قبل تین حج ادا فرمائے؛ حالاں کہ ان دونوں حضرات کی حدیث میں ہجرت سے قبل دو اور ہجرت کے بعد ایک، اس طرح تین حج کی ادائیگی کا ذکر ہے، ہجرت سے قبل تین حج کی ادائیگی کا ذکر نہیں؛ چناں چہ ”جامع ترمذی“ میں ہے:

عَنْ جابرِ بنِ عبدِ اللّٰهِ: أنّ النبیَّ صلی اللّٰه علیه وسلم حَجَّ ثَلاثَ حِجَجٍ: حَجَّتَیْنِ قَبْلَ أنْ یُهاجِرَ و حَجَّةً بَعْدَ مَا هَاجَرَ. (الکتب الستة، جامع الترمذی، أبواب الحج، باب ما جاء: کم حجّ النبی صلی اللّٰه علیه وسلم؟ حدیث: ۸۱۵، ص:۱۷۲۸، دارالسلام: الریاض)

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین حج ادا فرمائے، دو حج ہجرت سے قبل اور ایک حج ہجرت کے بعد۔“

”سنن ابن ماجہ“ میں ہے:

حَدَّثَنَا القاسمُ بنُ محمدِ بنِ عَبّادٍ المُهَلَّبِیُّ: حَدَّثَنا عبدُ اللّٰهِ بنُ داؤد: حدثنا سفیانُ، قال: حَجَّ رسولُ اللّٰه ﷺ ثَلاثَ حَجّاتٍ: حَجَّتَیْنِ قبلَ أن یُهاجِرَ، وحَجَّةً بعدَ ما هاجر مِنَ المدینةِ....

قِیل له: مَنْ ذَکَرَهُ؟ قال: جعفرٌ عَنْ ابیه، عن جابر. وابنُ أبی لیلیٰ عَن الْحَکَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابنِ عباسٍ. (الکتب الستة، سنن ابن ماجه، کتاب المناسك، باب حجّة رسول اللّٰه ﷺ، حدیث: ۳۰۷۶، ص:۲۶۶۴، دارالسلام: الرّیاض)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ دو طریق- جعفر عن أبیه عن جابر اور ابن أبی لیلیٰ عن الحکم عن مِقْسم عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهم – سے روایت کرتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ نے تین حج کیے، دو حج قبل از ہجرت اور ایک حج ہجرت کے بعد مدینہ منورہ سے ادا فرمایا۔“

نیز ایک اور وہم یہاں یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی

تخریج کوابن ماجہ کی طرح حاکم کی طرف بھی منسوب کیا ہے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے تو حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ذکر کیا ہے، جس کے الفاظ ماقبل میں نقل کیے گئے؛ لیکن امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل نہیں کیا ہے؛ بل کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے؛ چناں چہ "المستدرك على الصحيحين" میں ہے:

عَنْ جعفرِ بنِ محمدٍ عَنْ أبيه عَنْ جابرٍ رضى اللّٰه عنه قال: حَجَّ النبيُّ صلى اللّٰه عليه وآله وسلم حَجَّتينِ قبلَ أن يهاجرَ يعنى و حَجَّ بعدَ مَا هاجرَ حَجَّةً قَرنَ معها عمرةً. (المستدرك، كتاب المناسك، كم حجّ النبى صلى اللّٰه عليه وآله وسلم، ص:٤٧٠، ج:١، دارالمعرفة: بيروت)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت سے قبل دو حج کیے، ان کی مراد یہ ہے کہ ہجرت کے بعد (بھی) ایک حج کیا، آپ نے اس حج کے ساتھ عمرہ کو ملایا۔''

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۱۲۲ھ) نے بحوالہ ابن ماجہ اور حاکم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہجرت سے قبل رسول اللہ ﷺ کے تین حج کی ادائیگی کا ذکر کیا ہے:

وقال ابن عباس: حَجَّ ﷺ قبلَ أن يهاجر ثلاث حجج. أخرجه ابن ماجه والحاكم. (شرح المواهب اللدنية، ص:١٠٥، ١٠٦، ج:٣، دارالمعرفة: بيروت)

یہ وہم ہے؛ اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہجرت سے قبل تین حج کا نہیں؛ بل کہ دو حج کا ذکر ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی تخریج امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو کی ہے؛ لیکن امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں کی، جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔

علامہ محمد تاودی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۱-۱۲۰۹ھ) نے ترمذی کے حوالے سے حجۃ الوداع سے قبل تین حج کی ادائیگی کا ذکر کیا ہے، اس طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے کلام میں واقع پہلا وہم علامہ تاودیؒ کے کلام میں در آیا ہے۔ وفى الترمذى "أنه صلى اللّٰه عليه وسلم حجَّ قبل ذلك ثلاث حجج" (حاشية التاودى على صحيح البخارى، ص:٢٧٢، ج:٤، العلمية: بيروت)

(باقی آئندہ)

جلیانوالہ باغ کی داستانِ خونچکاں

از: مولانا ولی اللہ ولی بستوی

پہلی جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء سے لے کر ۱۹۱۸ء تک مسلسل جاری رہ کر اپنی تمام تر تباہیوں، ناگفتہ بہ بربادیوں، بیشمار انسانی ہلاکتوں، بے انتہا خونریزیوں اور قابلِ افسوس سفاکیوں کے بعد ۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء کو ایک ہمہ گیر مصائب ومعاہدے کے تحت بند ہوئی۔

جنگ بندی کے بعد حکومت کے سنگ دلانہ رویوں، رولڈا یکٹ کمیٹی کے ظالمانہ قوانین اور ڈیفنس اِن انڈیا (قانونِ تحفظ ہند) کی غیر مناسب تجاویز سے ہندوستانیوں کے تن بدن میں آگ لگ گئی، دلوں میں انتقام کی آتش بھڑک اٹھی، سینے غیظ وغضب سے لبریز ہوگئے، پیمانۂ صبر چھلکنے لگا، ذلت کی زندگی پر موت کو ترجیح دینے کے لیے کمربستہ ہوگئے۔

الغرض! بدیشی ظالموں کے شکنجۂ استبداد سے خلاصی کی ہر ممکن تدبیر کو روبہ عمل لانے کا عزمِ مصمم کرلیا۔

اس عالمِ کسمپرسی میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مہاتما گاندھی اہالیانِ ہند کی رہبری وقیادت کے لیے میدانِ عمل میں آئے، اوران دونوں محبوب وہر دلعزیز رہنماؤں نے حکومت سے نبرد آزما ہونے اور دولت بل کی مخالفت کے لیے یکم مارچ ۱۹۱۹ء کو بمبئی میں ستیہ گرہ سبھا قائم کی اوراس کے ساتھ ہی سول ڈیفنس رویڈنس (سول نافرمانی) کو بھی پروگرام میں داخل کیا۔

تمام اہلِ ہند نے بلا امتیازِ فرق ومذاہب ان دونوں پیشواؤں کے قائدانہ پرچم تلے جمع ہوکر تائید واتفاق کا نعرہ لگایا، اور ہر طرح سے تعاون دینے کا حلف اٹھایا۔

ستیہ گرہ اور سول ڈیفنس رویڈنس کے اساسی ارکان میں کثیر تعداد میں گرفتاریاں دے کر جیلوں کو بھرنا، سرکاری عہدوں سے استعفا دینا، کارکنوں کو اسٹرائک کے لیے آمادہ کرنا، جگہ جگہ

احتجاجی جلوس نکالنا، دفاتر ومحکمہ جات پر عوامی مظاہرے کرنا، نافذ شدہ قوانین کی پامالی کرنا، ہمہ گیر پیمانے پر بند اور ہڑتالیں کرکے اربابِ حکومت کو تنگ کرنا وغیرہ امور شامل تھے؛ چناں چہ پروگرام کے مطابق ستیہ گرہ اور سول نافرمانی کی اسکیموں پر ہر چہار جانب عمل درآمد شروع ہوگیا۔

۳۰؍مارچ ۱۹۱۹ء اور ۶؍اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر وغیرہ (پنجاب) میں ہمہ گیر پیمانے پر بند اور ہڑتالیں کی گئیں، حاکموں کو سخت وسست جملوں سے نوازا گیا، دفاتر ومحکمہ جاتی عمارتوں میں توڑ پھوڑ اور آتش زنی کی گئی۔

ادھر سی آئی ڈی اہلِ پنجاب کی تمام حرکتوں سے حکامِ بالا کو آگاہ کرتی رہی؛ اس لیے حکام و پولیس کی زیادہ تر توجہات پنجاب ہی کی جانب مبذول رہیں۔ زدوکوب، شدت وسخت گیری اور جلاوطنی کی وارداتیں شروع کردی گئیں۔

۳۰؍مارچ اور ۶؍اپریل کی ہڑتالوں کے بعد عوامی گرفتاریوں کے علاوہ پنجاب کے دو ممتاز ومحبوب لیڈروں ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ مان کو گرفتار کرکے جلاوطن کردیا گیا؛ نیز اسی دوران مہاتما گاندھی کی گرفتاری کی بھی خبر اڑ گئی۔

اہلِ پنجاب کے نزدیک ان کے محبوب لیڈروں کی گرفتاری اور جلاوطنی ناقابلِ برداشت تھی؛ اس لیے وہ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہوگئے، ان کے مشتعلانہ رخ اور منتقمانہ جذبات کو بے قابو محسوس کرتے ہوئے حکومتِ پنجاب نے مرکزی سرکار سے ۱۳؍اپریل کو مارشل لاء کے نفاذ کی درخواست کی؛ چناں چہ ۱۵؍اپریل ۱۹۱۹ء کو لاہور اور امرتسر میں مارشل لاء نافذ کردیا گیا۔

لیکن عوام مارشل لاء کی حدوں کو توڑ کر گھروں سے نکل کر سڑکوں پر آگئے؛ نعرے بازیوں، جوشیلے فقروں، طنزیہ جملوں سے پنجاب بالخصوص امرتسر کے گلی کوچے گونج اٹھے؛ مجمع نے جذبات کی رَو میں بہہ کر انجام کی پرواہ کیے بغیر ایک بینک پر حملہ کردیا، عمارتوں کو نذرِ آتش کردیا، ملازمین کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اس طرح مختصر سی یورش ویلغار کے بعد لوگ گھروں کو واپس چلے گئے۔

جنرل ڈائر فرنگی فوج کا ایک اعلیٰ ترین کمانڈر ہونے کی حیثیت سے ۲؍لاکھ فوج کے ہمراہ فوراً امرتسر پہنچا، اور کمانڈرانہ غرور اور متکبرانہ لب ولہجہ میں یہ اعلان کیا کہ....

''شہر کے بازاروں میں یا شہر کے کسی حصہ میں یا شہر کے باہر کسی وقت بھی کسی قسم کا جلوس نکالنے کی اجازت نہیں، اس طرح کے جلوس اور چار آدمیوں کے اجتماعات کو خلافِ قانون سمجھا

جائے گا اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ہتھیاروں کے ذریعہ منتشر کردیا جائے گا۔

جب جنرل ڈائر فوجی دستوں کے ہمراہ شہر کے گلی کوچوں کا گشت لگاتے ہوئے مذکورہ بالا اعلان کی خود ہی تشہیر کرتے ہوئے ۱۲ر بجکر ۴۰ رمنٹ پر اپنی قیام گاہ باغ میں پہنچا تو اسے پولیس کی خفیہ خبر رساں ایجنسی نے یہ اطلاع دی کہ آج سوا چار بجے جلیانوالہ باغ میں اجتماعی جلسہ ہونے والا ہے، جنرل ڈائر اسی وقت مظاہرین کے خون سے قحط زدہ باغ کی تشنگی بجھانے کی ٹھان لی۔ جب جلسہ کا وقتِ مقررہ قریب ہوا تو چاروں طرف سے لوگ کثیر تعداد میں باغ کی طرف جوق در جوق جانے لگے اور آن کی آن میں پندرہ ہزار کا مجمع اکٹھا ہوگیا؛ عین اسی وقت جنرل ڈائر بھی، ہٹلرانہ رعب و وقار اور چنگیزانہ غرور اور نادر شاہانہ مزاج و دماغ سے مرصع ہوکر خون آشام فوج کے ساتھ جلسہ گاہ پہنچ گیا۔ ہمہ نوع جنگی اسلحوں کے علاوہ مشین گن بھی ساتھ تھی؛ لیکن باغ کا راستہ تنگ ہونے کی بنا پر اسے باہر ہی راستہ پر کھڑا کردیا گیا۔

فوج کو مختلف ٹولیوں میں تقسیم کرکے جنگی مورچوں کی طرح پوزیشن سنبھالنے پر مامور کرنے اور باغ کی چوطرفہ حصار بندی کرالینے کے بعد اس نے جلسہ گاہ پر ایک نظر ڈالی، اس نے دیکھا کہ ایک آدمی حکام اور حکومت کے خلاف اشتعال انگیز و پرجوش تقریر کررہا ہے اور مجمع ہمہ تن گوش ہے، یہ منظر دیکھ کر اس کے کمانڈرانہ غرور کو مہمیز لگی، اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اس کا پیمانۂ صبر چھلک اٹھا، اس کا پارۂ غیظ و غضب آخری حد تک پہنچ گیا، اس کی خون آشام فطرت مچلنے لگی، اس کی رگ و پے میں حاکمانہ خمار سرایت کرگیا، تابِ ضبط پر اس کا قابو نہ رہا، اس کے جسم میں چنگیز و ہلاکو کی روحیں حلول کرگئیں، اس کے دماغ میں نادر شاہی درندگی رقص کرنے لگی، اس کے سامنے ہٹلرانہ داروگیر کا نقشہ ابھر آیا۔

بالآخر ظالم نے حاضرین کو منتشر ہونے کی تنبیہ و اطلاع دیے بغیر مسلح فوج کو عام فائرنگ کا حکم دے کر محوِ تماشا ہوگیا۔

پھر کیا تھا! سفید فام وحشیوں کے لیے ایک بزمِ تفریح سج گئی، فرنگی سنگدلوں کے لیے سامانِ کیف و سرور فراہم ہوگیا، جنرل ڈائر اور اس کے ارکانوں کے ہونٹوں پر خفیف مسکراہٹ ابھری اور تدریجاً زوردار قہقہوں میں تبدیل ہوگئی، گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے ہنگامۂ صور بپا ہوگیا، جلیانوالہ باغ ایک انسانی مذبح بن گیا، جلسہ گاہ محشرستانِ قتل میں تبدیل ہوگئی، اجتماعی جلوس کا اسٹیج مقتلِ عام

کی صورت اختیار کر گیا، انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر لاشوں کا ڈھیر بن گیا، حاضرینِ بزم مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، زلزلۂ قیامت کا منظر سامنے آ گیا، چنگیز و ہلاکو کی روحیں بھی شرمانے لگیں، نادرشاہی سفاکی منہ چھپانے لگی، ہٹلرانہ گیرودار ماند پڑ گئی، فرنگی اقتدار کی دیوی اپنی مراد پا گئی، برطانوی دیو کو مدت کے بعد پوری خوراک ملی، درندگانِ مغرب کی خون آشام فطرت آسودہ ہوگئی، معافی کا دروازہ بند ہو چکا تھا، بھاگنے کے تمام راستے مسدود تھے، ناکے ناکے پر مسلح فوج تعینات تھی، سسکیوں، آہوں، چیخ و پکار اور نالہ وفغاں سے کہرام مچا ہوا تھا، موت کی سراسیمگی قابلِ دید تھی، وہ روحوں کو گولیوں سے چھیدنے کا منظر ہی عجیب تھا، کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے، نوجوانوں کی لاشیں مرغِ نیم جاں کی طرح تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہو رہی تھیں، کمسن اور نونہالانِ بزم خون اگل اگل کر جانیں دے رہے تھے، بڑے بوڑھے تو کراہنے اور آہ کرنے کی بھی تاب نہ لا سکے، کُشتگانِ وطن سے جلیانوالہ باغ بھر گیا، شہیدانِ وفا کے خونوں سے سرزمینِ امرتسر لالہ زار ہوگئی، یورشِ تاتار کی ایک جھلک نگاہوں میں گردش کرنے لگی، بخارا اور سمرقند کے قتلِ عام کی یاد تازہ ہوگئی، پنجاب میں بغداد و اندلس کی تاریخ قتل و کُشت دہرادی گئی، سقوطِ غرناطہ کی رودادِ حزیں کا عکسِ کامل سامنے آ گیا اور تاریخِ ہند میں ایک سنگین اور خونیں باب کا اضافہ ہوگیا۔

محبانِ چمن کے چوڑے چکلے سینوں پر گولیوں کی موسلا دھار بارش ہوتی رہی، مشین گنیں ہلاکت و تباہی کے مہیب شعلے بھڑکاتی رہیں، بہیمیت و درندگی کا یہ دردناک سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا، تا آں کہ فوج نے گولیاں ختم ہوجانے پر کفِ افسوس ملتے ہوئے نہتا رہ جانے کا گلہ کیا، تو جنرل ڈائر اپنی فتح و ظفرمندی کا جشنِ زریں مناتے ہوئے۔ انگریزی مؤرخ ٹامسن کے بقول پندرہ سو مقتولین اور ایک معتبر روایت کے مطابق بارہ سو زخمیوں کو مقتلِ انسانی میں چھوڑ کر یہ بے رحمانہ و سنگ دلانہ حکم نافذ کرتے ہوئے اپنی قیام گاہ کو فرحاں و شاداں روانہ ہوا کہ یہاں سے زخمیوں کو ہسپتالوں میں اور مقتولین کو برائے تجہیز و تکفین لے جانے کی بالکل اجازت نہیں۔

اس غم انگیز و الم خیز خونیں معرکہ کی تفصیلات جاننے کے لیے پتھر کا کلیجہ، مادۂ احساس سے خالی جگر، اندیشۂ فساد سے بری ذہن و دماغ اور آنسوؤں سے خشک آنکھوں کی ضرورت ہے، تمثیلاً صرف ایک ایسی ستم رسیدہ خاتون کی رودادِ غم سپردِ قرطاس کی جارہی ہے جس کا سرتاجِ حیات ڈائرانہ سفاکیت کا شکار ہوا تھا۔

مسٹر ٹامسن کے سوال کرنے پر اس زخم خوردہ خاتون نے اپنی خون بار آنکھوں کو پونچھا، غمزدہ چہرے کو چھپایا، ہچکیوں کو ضبط کیا، دل پر صبر وتحمل کا گراں بار پتھر رکھا، قوتِ ہوش وحواس کو جمع کیا، تابِ سخن پر بمشکل تمام قابو حاصل کیا، ڈگمگاتے قدموں کو سنبھالا، لرزہ براندامانہ کیفیت پر قدرے کنٹرول کیا، پھر لڑکھڑاتی زبان سے درد وکرب بھرے لہجے میں با دلِ ناخواستہ بایں طور حکایت افشاں ہوئی کہ....

گولی چلنے کے کچھ عرصہ کے بعد مجھے اپنے بازار میں پتہ چلا کہ ہزاروں آدمی قتل کردیے گئے ہیں، یہ سن کر میں پریشان ہوئی اور میں نے دل میں ارادہ کیا کہ باغ میں فوراً پہنچنا چاہیے؛ چناں چہ ہمسایہ عورتوں کے ہمراہ وہاں پہنچی جہاں پر تمام جگہ کو مردہ لاشوں سے بھرا ہوا پایا، میں نے اپنے مقتول خاوند کی لاش کو ان میں ڈھونڈھنا شروع کیا؛ چناں چہ لاشوں کے انبار کے نیچے سے میں نے اپنے شوہر کی لاش کو باہر کھینچ کر نکالا، وہ تمام جگہ خون کا تالاب نظر آتی تھی، میں نے اس لاش کو اوپر پہنچانے کے لیے امداد کی تلاش کی؛ لیکن ناکام رہی، آخر کار مایوس ہوکر واپس آگئی، اور اپنے خاوند کی لاش کے پاس بیٹھ کر تمام رات اس طرح گذار دی، جہاں پر کتوں کی وجہ سے اکثر مجھے چھتری استعمال کرنی پڑتی تھی، رات کے دو بجے ایک زخمی سکھ کے کراہنے کی آواز سن کے اس کے پاس گئی اور اس کی ٹانگ کو ٹھیک کرکے رکھ دیا، جس سے اس غریب کو افاقہ ہوا، وہاں بارہ سال کا ایک زخمی بچہ بھی تھا جو تمام شب روتا رہا، اور مجھ سے بار بار التجا کرتا رہا کہ میں اس کے پاس بیٹھی رہوں؛ کیوں کہ وہ حالتِ تاریکی میں ڈرتا تھا، پاس ہی میں ایک اور زخمی تھا جو نہایت دردناک طریقہ سے تمام رات پانی کے لیے التجا کرتا رہا، میں نے ہر چند پانی مہیا کرنے کی کوشش کی؛ لیکن ناکام رہی، تمام رات زخمیوں کی چیخیں سنتی رہی، کتوں کے بھونکنے اور گدھوں کے ہنہنانے کی آوازیں آتی رہیں۔

یہ تو ایک مصیبت زدہ خاتون کی داستانِ رنج والم تھی، اس طرح کی بے انتہا ستم خوردہ خواتین کی رودادیں چمنستانِ تاریخ میں بکھری پڑی ہیں، جن کے احاطہ وشمار کے لیے دفتر کی ضرورت ہے۔

الغرض! استخلاصِ وطن کی جد وجہد میں بے شمار سہاگنوں کو بیوگی کا لقب دینے، معصوم نونہالوں کو یتیمی کا ابدی تاج پہنانے، پُر رونق شہروں کو قبرستانوں میں تبدیل کرنے، ہنستے مہکتے

محلوں کو ماتم کدوں کا رنگ وروپ دینے، مادرِ وطن کی غیرت وناموس پر غیر محدود فرزندوں کو قربان کرنے، حبِّ نشیمن کے جرم میں تن من دھن کو بطورِ جرمانہ پیش کرنے، سنگدلانِ فرنگ کے انسان خوروں کو اَن گنت وفادارانِ ہند کے ذریعہ خوراک بہم پہنچانے، یورپی مظالم کی چکی میں صدیوں تک پسنے، پے بہ پے قید وبند کی صعوبتیں جھیلنے، دارورسن کے پھندوں کو فرحاں وشاداں چومنے، صعوبتوں اور مشقتوں کی اذیت فشاں بھٹیوں میں ماہیٔ بے آب کی طرح تپانے، مصائب وآلام کی دشوارترین گھاٹیوں سے گذرنے، خونِ انسانی کے دریائے ناپیدا کنار میں صدیوں تک مسلسل تیرنے کے بعد، کاروانِ آزادی ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کے ساحل پر پہنچ کر اس گوہرِ مراد سے ہم آغوش ہو ہی گیا، جس کی حصولیابی کے لیے ہمہ نوع وہمہ گیر مصیبتوں، پریشانیوں اور اذیتوں کو داروئے شفا اور تریاقِ جان تصور کرتا رہا،.....مگر

امینِ صبحِ وطن اے نگارِ آزادی
بہت حسین ہے تیری تجلّیوں کا فسوں
مگر حیات کے ماروں نے تجھ سے کیا پایا
وطن کے راج دُلاروں نے تجھ سے کیا پایا

❁ ❁ ❁

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

از: انوار احمد قاسمی مبارکپوری
استاذ جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن

امّ المدارس دارالعلوم دیوبند نے تبلیغ وارشاد، دعوت واصلاح، جہد وعمل اور تعلیم وتربیت کے میدان میں جو باکمال افراد پیدا کیے ہیں، ان میں ایک روشن نام حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید، بزرگوں واکابر کے منظورِ نظر، عوام وخواص میں بے حد مقبول ومحترم شخصیت، جامع مسجد بمبئی کے امام وخطیب بقیۃ السلف حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر رحمہ اللہ کا ہے جو مورخہ ۲۵/ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ=۱۰/اکتوبر ۲۰۱۵ء کو اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے۔ مولانا ان علماء ربّانیین میں تھے جو علم وفضل، صلاح وتقوی، اعتدال ونرم روی اور دینی غیرت وحمیت میں ممتاز مقام کے ساتھ امت کی اصلاح وترقی اور مسلمانوں میں دینی روح پھونکنے کے لیے ساری زندگی مصروف عمل رہے۔

پیدائش

حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر رحمہ اللہ صوبۂ مہاراشٹر کے خطۂ کوکن —— جو ممبئی سے متصل ساحلی پٹی کے چار اضلاع ضلع تھانہ، رائے گڈھ (قدیم نام قلابہ) رتنا گیری اور سندھودرگ پر مشتمل ہے —— کے ضلع رائے گڈھ کی تاریخی بستی میندری میں ۲۶/شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ = ۶/جنوری ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ سادات سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب ۳۳ واسطوں سے حضرت حسینؓ سے جاملتا ہے۔

تعلیم وتربیت

والدِ محترم کا سایۂ رحمت کم عمری میں اٹھ گیا تھا، دادا مرحوم کی سرپرستی میں ابتدائی تعلیم چوتھی

جماعت تک گاؤں کے اسکول میں حاصل کی، اس دور افتادہ علاقے میں کوئی دینی مدرسہ نہ تھا، دین سے عموماً دوری تھی اور ناواقفیت کی وجہ سے بدعات وخرافات کو اصل دین سمجھا جاتا تھا، پس دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آپ کو جامعہ حسینیہ راندیر بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا، آپ راندیر گجرات کے لیے روانہ ہوگئے، علم کو حاصل کرنے کی لگن اور تڑپ نے مولانا کو مسلسل چار سال وہیں رہنے اور تعطیلات میں بھی گھر نہ آنے پر آمادہ کیا۔ جامعہ حسینیہ راندیر کے مہتمم مولانا محمد سعید راندیریؒ جو بڑے جلالی شان کے مہتمم تھے، مولانا سے بے حد محبت فرماتے تھے، گھر سے آپ کے لیے روٹی اور کھانا چپکے سے لاتے اور کھلاتے، اس کے بعد مدرسہ انوار العلوم احمد آباد میں ایک سال رہے، اس دوران دو سال کی کتابیں پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند میں

پھر آپ آگے کی تعلیم کے لیے رشد وہدایت کی عظیم درس گاہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، حضرت مولانا کی خوش نصیبی کہ انھوں نے وہاں ایسے اساطینِ علم وفضل سے اکتسابِ فیض کیا جو زہد وتقوی، رسوخ فی العلم سے لے کر دین وملت کے لیے جہد وعمل اور جاں نثاری وسرفروشی کی اعلیٰ مثال تھے۔ دورۂ حدیث میں آپ نے صحیح بخاری شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے، صحیح مسلم امام المعقول والمنقول حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے، سنن ترمذی، سنن ابوداود اور شمائل ترمذی شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ سے، سنن نسائی، طحاوی اور موطا امام مالک حضرت مولانا فخر الحسنؒ سے، موطا امام محمد حضرت مولانا محمد جلیلؒ سے اور ابن ماجہ حضرت مولانا ظہور احمدؒ سے پڑھیں۔ آپ ۱۳۷۳ھ=۱۹۵۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور دورۂ حدیث میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

اساتذہ کی شفقت

آپ ایک ذی استعداد اور نیک وصالح طالب علم تھے اور غیر سنجیدہ حرکات، لہو ولعب اور خرافات ولغویات سے پاک تھے، علم کی نافعیت اور عمل کی صالحیت حاصل کرنے کی دھن تھی، اس لیے مشفق اساتذہ کی توجہات آپ پر تھیں، آپ کو حضرت مدنی قدس سرہ سے بڑی عقیدت ومحبت تھی اور حضرت مدنی کی آپ پر شفقتیں وعنایتیں بے پایاں! آپ حضرت مدنی کی خدمت میں

حاضر ہوتے اور علمی وروحانی استفادہ کرتے، حضرت مدنی عمر کے اخیر حصے میں خطۂ کوکن میں رشد و ہدایت پھیلانے کے لیے تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ یہاں سادات کی ایک بستی 'میندری' ہے تو حضرت مدنیؒ وہاں تشریف لے گئے، مولانا اس وقت دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے، حضرت مدنیؒ نے واپسی پر فرمایا کہ میں تمہارے گاؤں گیا تھا۔ حضرت مدنیؒ کو یہاں کے چمپا کا پھول بڑا پسند آیا تو جب مولانا گھر آئے تو چمپا کا پھول سرکہ میں ڈال کر لے گئے اور حضرت مدنیؒ کی خدمت میں پیش کیا، جو حضرت مدنیؒ کی حیات تک تازہ رہا۔ مولانا اس خطہ میں حضرت مدنیؒ کی آمد کے واقعات خوب مزے لے لے کر سناتے، حضرت مدنیؒ کا نام وتذکرہ اور ان کے مجاہدانہ واقعات کی داستان مولانا کی زبان سے سنتے تو کچھ اور ہی لطف آتا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خانوادے سے آپ کا بے حد خلوص ومحبت پر مبنی تعلق تھا، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اور خانوادہ کے دیگر افراد کا بڑا احترام واکرام فرماتے تھے۔

میدانِ عمل میں

مولانا نے فراغت کے بعد ایک سال تک گاؤں میں رہ کر دین کی خدمات انجام دیں اور لوگوں میں دینی بیداری پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے، پھر جامع مسجد بمبئی کے امام وخطیب مولانا غلام محمد خطیب صاحب کے ایماء پر بنگالی پورہ مسجد بمبئی میں ایک سال امامت کی خدمت انجام دی۔

تدریس جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

مولانا کی استعداد وصلاحیت اعلیٰ درجہ کی تھی، وہیں صلاح وتقوی میں بھی ممتاز تھے، پس تقدیر الٰہی آپ کو تدریس کے لیے گجرات کے مشہور تعلیمی ادارے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کی علمی فضا میں لے گئی، وہاں مولانا نے تدریس کے ساتھ ساتھ طلبہ کی دینی واخلاقی تربیت کی فکریں کیں اور بڑے خلوص ومستعدی کے ساتھ اپنی خدمات انجام دیں، مولانا کا طلبہ میں ایک مقام تھا کئی واقعات شاہد ہیں کہ طلبہ مولانا کا بے حد ادب واحترام کرتے تھے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ علم واخلاص کا یہ ستارہ بہت ترقی کرے گا اور درس وتدریس کی اعلی مسندوں کو زینت بخشے گا کہ اچانک جامع مسجد بمبئی کے امام وخطیب مولانا غلام محمد خطیب نے مہتمم جامعہ کے نام بار بار خط لکھا،

پھر تار دیا کہ ڈابھیل سے مولانا کو بھیج دیا جائے، تو مہتمم صاحب نے بادلِ ناخواستہ اجازت دی، آپ نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی تاریخ کے مطابق شوال ۱۳۷۹ھ سے ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ تک تدریسی خدمت انجام دی۔ (تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل: ۴۳۲)

امامت وخطابت جامع مسجد بمبئی

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے بعد جامع مسجد بمبئی میں ۷۵/روپے تنخواہ پر امامت کی ذمہ داری سنبھالی اور اسی کے ساتھ مدرسہ محمدیہ میں عربی استاذ کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، یہاں مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ بھی تدریس میں آپ کے رفیق تھے۔

مولانا نے تقریباً ۵۲/سال اس شان ووقار کے ساتھ امامت کی کہ آپ کی ذات مرجع خلائق بن گئی، لوگوں کے دلوں میں آپ کی جو عظمت ومحبت تھی، وہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ آپ اس منصب پر رہتے ہوئے اپنے کردار وعمل کے ذریعہ عوام وخواص ہر ایک کے لیے نمونۂ عمل بنے اور نازک سے نازک موقع پر بھی اشتعال وجذباتیت سے ہٹ کر صالح فکر کے ساتھ امت کی صحیح راہنمائی فرمائی۔ خطبات موقع ومحل اور حالاتِ حاضرہ کی مناسبت سے تیار کرتے تھے۔ جب سلمان رشدی کا فتنہ اٹھا اور امت کی فکری بنیادوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوا، تو آپ نے مسلسل ۵۲/خطبات صحابۂ کرامؓ کی عظمت وفضیلت پر دیے جو علم وفضل کا شاہکار ہیں۔ آپ کے خطبات مختصر وقت میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ہوتے، وقت کا اتنا خیال رکھتے کہ مقررہ وقت کے اندر ہی نماز وخطبات ختم ہوجاتے۔ کتنے ہی لوگ دور دراز سے سفر کرکے صرف مولانا کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے آتے، عرب حضرات بھی جو بمبئی میں تجارت وعلاج وغیرہ کی غرض سے آتے نماز میں شریک ہوتے۔ حضرات شیوخ الازہر، شاہ فیصل، شیخ محمد بن عبداللہ السبیل، شیخ عائض القرنی اور بھی بہت سے عرب علماء ومشائخ نے مولانا کے پیچھے جمعہ کی نماز ادا کی اور مولانا کے بلند مقام کے معترف ہوئے۔

نماز جمعہ میں حضرت مولانا جب خطبہ دینے کے لیے تشریف لاتے تو مصلیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی بمبئی کی سب سے بڑی جامع مسجد میں عجیب روحانی منظر ہوتا، ایک خطیب اسلامی عظمت ووقار کے ساتھ کھڑا ہوتا، اذان ہوتی پھر خطبہ شروع ہوجاتا، نماز کے بعد عربی خطبہ کا عمدہ انداز میں ترجمہ پیش فرماتے اور اگر کوئی نکاح ہوتا تو خطبۂ نکاح پڑھتے، پھر ملاقات کرنے والوں کا

ایک ہجوم ہوتا جو مولانا سے مصافحہ کرنے کے لیے قطار میں کھڑا ہوجاتا، مصلیوں کا مرکز عقیدت مولانا کی ذات گرامی ہوتی، وہ بڑی عقیدت ومحبت کے ساتھ مولانا سے مصافحہ کرتے، مجمع کبھی اتنا زیادہ ہوتا کہ اس عمل میں اچھا خاصا وقت لگ جاتا؛ لیکن مولانا ہر ایک سے بڑی خندہ پیشانی سے مصافحہ وملاقات کرتے تھے۔

اجازت وخلافت

احسان وتصوف دین کا ایک حصہ ہے، مولانا اس درس گاہ کے فیض یافتہ تھے جہاں ایک وقت شیخ الحدیث سے لے کر دربان تک بھی صاحب نسبت بزرگ ہوا کرتے تھے، مولانا کا اصلاحی تعلق فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ سے تھا، حضرت مفتی صاحب نے آپ کو چند دنوں کے لیے دارالعلوم دیوبند بلایا اور اجازت وخلافت سے مشرف فرمایا۔ مفتی فاروق صاحب میرٹھیؒ نے حضرت مفتی صاحب کے خلفاء کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے، جس میں حضرت مولانا شوکت صاحب کا نام چالیسویں نمبر پر ہے۔ (حیات محمود: ۴۴۹/۲) پھر شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا احمد علی آسامیؒ نے بھی آپ کو خلافت و اجازت مرحمت فرمائی؛ لیکن حضرت مولانا اپنے آپ کو چھپاتے تھے اور ظاہر نہ فرماتے تھے کہ آپ کو اجازت وخلافت حاصل ہے۔

اکابر علماء سے تعلق

بمبئی کو یہ فخر ہے کہ یہاں اکابر اہل اللہ مختلف وجوہات کی بنا پر تشریف لاتے رہے ہیں اور بمبئی کو ان کی میزبانی کا شرف حاصل ہوتا رہا ہے، مولانا کو اپنے بزرگوں سے بڑی گہری وابستگی تھی، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتحپوری، مولانا عبدالشکور فاروقی، مولانا قاری محمد طیب، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی، مولانا احمد علی آسامی، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری، مولانا قاری صدیق احمد باندوی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا سید اسعد مدنی، مولانا ابرارالحق ہردوئی، مولانا قاری امیر حسن ہردوئی رحمہم اللہ اور دیگر بزرگوں سے بڑے اعتماد ومحبت کا تعلق تھا۔ آپ اپنی صالحیت و صلاحیت کی وجہ سے اکابر کے منظورِ نظر رہے۔ معاصر اکابر سے بھی بڑے اچھے روابط تھے اور افادہ واستفادہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن سے تعلق

خطۂ کوکن میں ایک زمانے میں شرک و بدعات کا دور دورہ تھا، لوگ دین سے اتنے دور ہو چکے تھے کہ بدعات وخرافات کے لیے مرنے مارنے پر تُل جاتے تھے، اس علاقہ میں کوئی مدرسہ نہ تھا، عالم اور حافظ بمشکل چند تھے؛ لیکن حق تعالیٰ کو ایک بار پھر اس خطہ سے دین کی ہوائیں چلانی تھیں اور اس علاقہ کو دین سے معمور کرنا تھا، چناں چہ تقدیرِ الٰہی سے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی اس خطہ میں آمد ہوئی، اس وقت ان کے وعظ وارشاد کی روشنی سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ منور ہو رہا تھا، عمر کے آخری حصہ میں حضرتؒ کا کوکن جیسے دور دراز خطہ میں جہاں سڑکیں نہیں تھی، اونچے نیچے، دشوار گزار پہاڑی راستوں پر بیل گاڑیوں کا سفر کرنا کوئی آسان کام نہ تھا؛ لیکن حق تعالیٰ نے انھیں اخلاص وللّٰہیت، دین کی تڑپ اور دین کے لیے قربانی و سرفروشی کے عظیم جذبہ سے نوازا تھا، جس کے سامنے پہاڑ بھی رائی ہو جاتے تھے۔

حضرت مدنیؒ تشریف لائے اور یہاں کے لوگوں کو سنت و شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی نصیحت فرمائی اور خاص طور سے قرآن کی تعلیم عام کرنے اور داڑھی رکھنے پر خاص زور دیا۔ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری بھی اس سفر میں حضرت مدنیؒ کے ساتھ تھے، وہ رودادِ سفر میں لکھتے ہیں: ''راقم بھی قافلہ کے ساتھ تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم وروحانیت کی بارات نکل رہی ہے، اس دن جہاز مدرسہ اور خانقاہ معلوم ہوتا تھا، کوکن اور بمبئی کے متوسلین ومعتقدین ہم سفر تھے، جہاز کا پورا عملہ ہمہ تن خدمت بنا ہوا تھا، حضرت مولانا نے اس سفر میں قرآن کی تعلیم عام کرنے اور شکل وصورت شرعی بنانے پر بے حد زور دیا تھا اور ان کا پورا وعظ اسی موضوع پر ہوا تھا۔'' (قاضی اطہر مبارکپوری کے سفرنامے: ۲۲۲) خدا جانے حضرت مدنیؒ کا کیسا اخلاص رہا ہوگا، کیسی دین کی تڑپ رہی ہوگی کہ ان کی آمد سے علاقے کے حالات بدل گئے، جہالت وبدعات کا دور ختم ہوا اور علمِ دین کی روشنی گھر گھر پہنچنے لگی۔

جمعہ کا دن تھا، شریوردھن میں فجر کی نماز میں امام صاحب نے سورۂ سجدہ کی تلاوت نہیں فرمائی، حضرت مدنیؒ نے نماز کے بعد سوال کیا کہ یہاں کتنے عالم ہیں؟ جواب ملا: یہاں کوئی عالم اور حافظ نہیں ہے، حضرت والا نے اپنے خاص انداز میں فرمایا: ''یہاں مدرسہ کی بنیاد ڈالو، مجھے یہاں سے علم کی خوشبو آرہی ہے۔'' ع

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یہ مقبولیت کی گھڑی تھی، ایک اللہ والے کے دل سے نکلے ہوئے الفاظ بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہوئے اور ایک دینی مدرسہ کے قیام کی راہیں ہموار ہونے لگیں، حضرت مدنی سے اصلاحی تعلق رکھنے والے جناب حاجی عبدالرحیم صاحب بروڈؒ رمضان گزارنے کے لیے دیوبند جاتے تھے، وہیں حضرت مدنیؒ کے دولت کدے پر اس مدرسہ کے تعلق سے مشورہ ہوا اور پھر اس خطہ کی اولیں اسلامی درس گاہ کی بنیاد رکھی گئی اور حضرت مدنیؒ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کا نام ''مدرسہ حسینیہ عربیہ'' رکھا گیا۔

یہ مدرسہ مولانا کے شیخ و مربی کی یادگار بھی تھا اور وطنی نسبت و تعلق کا حامل بھی؛ اس لیے ابتداء ہی سے مولانا کو اس مدرسہ سے تعلق رہا اور یہ تعلق و محبت اتنا بڑھا کہ مولانا کا نام ہی اس کا تعارف بن گیا تھا، بہت سارے لوگ مدرسہ کا نام لینے کے بجائے اسے مولانا شوکت صاحب کا مدرسہ کہتے تھے۔ مولانا منصبِ امامت کی وجہ سے گرچہ بمبئی میں رہتے تھے؛ لیکن مدرسہ کے حالات اور تعلیمی سرگرمیوں سے باخبر اور مدرسہ کی تعمیر و ترقی کے لیے فکرمند.....اکابر اہل اللہ کی توجہات اور مولانا کی فکروں کا نتیجہ ہے کہ آج یہ مدرسہ اس پورے علاقے میں فقہ شافعی کا مرکزی جامعہ بن چکا ہے، جہاں ناظرۂ قرآن سے لے کر تخصصات تک تعلیم ہو رہی ہے، نیز دارالافتاء و دارالقضاء بھی فقہ شافعی کے مطابق خدمات انجام دے رہے ہیں، یہاں کیرالا، تامل ناڈو، مہاراشٹر وحیدرآباد اور دیگر علاقوں کے طلبہ فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔

مولانا کو جامعہ حسینیہ، اس کے اساتذہ وطلبہ اور اس کے در و دیوار سے حد سے زیادہ محبت تھی، جب تک قویٰ مضبوط تھے، جامعہ میں بڑی کثرت سے تشریف لاتے، دو تین دن قیام فرماتے جب بھی گھر آتے تو جامعہ میں ضرور تشریف لاتے، صحت کے ایام میں تو ابھی شام میں گھر پہنچے کہ دوسرے دن صبح جامعہ میں موجود۔ مولانا کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ جب سکون کی تلاش ہوتی ہے تو ہم جامعہ میں آتے ہیں۔ جب جامعہ میں تشریف لاتے تو عید کا سماں ہوتا، ایسا محسوس ہوتا کہ اس کے در و دیوار پر رونق و بہار آگئی ہو۔ ہر فرد کے چہرہ پر خوشی و رونق کے آثار ہوتے، اساتذہ ان کی خدمت میں حاضری کے لیے بے تاب تو طلبہ پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑتے، ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ وہ مولانا کی خدمت سے مستفید ہو۔ اساتذہ سے دفتر اور مہمان خانے میں ملاقات ہوتی، آپ ان کی بات سنتے اپنی بات کہتے، مزاحیہ اور ایسے برمحل جملے کہتے کہ پوری محفل زعفران زار ہو جاتی اور طلبہ سے انفرادی و اجتماعی ملاقاتیں ہوتیں۔

سالہا سال سے جامعہ کے اجلاس آپ ہی کی سرپرستی میں منعقد ہوتے، آپ ان جلسوں میں پابندی سے تشریف لاتے، ایسا محسوس ہوتا کہ چہرہ پر انوارِ الٰہی کا خاص فیضان ہورہا ہو، سب سامعین کی نگاہیں عقیدت ومحبت سے آپ کی طرف لگی رہتیں، جلسہ کے اخیر میں آپ مختصر الفاظ میں چند نصیحتیں کرتے جو آپ کی طرف سے ہر ایک کے لیے پیغام بھی ہوتیں اور بیش قیمت سرمایۂ زندگی بھی۔

آپ کی خواہش تھی کہ مدرسہ کا ہر بچہ علم میں بھی مثالی ہو اور تہذیب وشائستگی کا پیکر بھی، اس لیے بچوں کی مختلف پیرائے سے تربیت فرماتے۔ عموماً عصر کے بعد مجلس ہوتی، بیان مختصر اور واقعی ما قلّ و دلّ کا مصداق ہوتا، ظرافت آمیز انداز میں طلبہ کی ذہنی وفکری تربیت فرماتے، طلبہ سے سوالات پوچھتے، علم وعمل کے گہرے نکتے بتاتے، کامیاب زندگی گزارنے کے آداب وطریقوں پر روشنی ڈالتے، سنتوں کی پابندی کی تنبیہ کرتے، صحابۂ کرامؓ واسلاف واکابر کے واقعات سناتے، اس کے پس منظر میں نصیحتیں کرتے، روتے بھی رُلاتے بھی، نبی کریم ﷺ کی موقع موقع سے بتائی ہوئی دعائیں یاد کراتے۔ مولانا کی دل آویز شخصیت، بزرگی وعظمت اور پدرانہ شفقت ومحبت کی وجہ سے یہ باتیں بچوں کے دلوں میں سیدھے اتر جاتیں۔ مولانا کا حافظہ بھی غضب کا تھا، پیرانہ سالی کے زمانہ میں بھی ان کے حافظہ میں محفوظ ہوتا تھا کہ پچھلے بیان میں کیا باتیں ارشاد فرمائیں تھیں۔

مولانا کا ایک بڑا نایاب وصف محنتی اساتذہ وکارکنان کی حوصلہ افزائی کرنا تھا، طلبہ کو اساتذہ کی قدر کرنے اور ان سے خوب استفادہ کرنے پر ابھارتے، اسی طرح خود بچوں کے سامنے اساتذہ کی تعریف اور مختلف طریقوں سے حوصلہ افزائی کرتے جس سے اساتذہ اور زیادہ محنت و تندہی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے۔

اوصافِ حمیدہ

مولانا تواضع وانکساری، حلم و بردباری، اخلاص و بے لوثی، زہد واستغنار، اتباع سنت اور ورع وتقویٰ میں اسلاف کی سچی یادگار تھے، آپ کو دیکھ کر سلفِ صالحین کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، چہرے پر معصومیت، دراز قد، باوقار سراپا، گفتگو میں نرمی، برتاؤ میں شائستگی، عالمانہ متانت اور خوش طبعی ومحبت کی ادادلوں کو موہ لیتی تھیں۔

استغنار

مولانا خودداری واستغنا کا ایک کامل نمونہ تھے۔ عروس البلاد بمبئی، فلک بوس عمارتوں اور

تجارتی منڈیوں کی وجہ سے ہندوستان کا دل مانا جاتا ہے، مولانا جس علاقے میں رہتے تھے وہ بمبئی کا قلب ہے، ہر طرف تجارت گاہ اور مال و دولت کی ریل پیل ہے، صبح و شام دنیا کمانے کی گویا ایک ہوڑ مچی ہوئی ہے، ایسے ماحول میں دنیاوی چمک دمک سے صحیح سلامت دامن بچا کر نکل جانا ایک کرامت ہی کہا جاسکتا ہے۔ مولانا نے ساری زندگی بمبئی میں گزاری؛ لیکن اس کی رنگینیاں کبھی آپ کو متاثر نہ کرسکیں، مولانا اگر دولت کے متلاشی ہوتے کروڑوں روپیہ ان کے بینک بیلنس کی صورت میں موجود ہوتا اور فلیٹ و جائیداد کی تفصیلات سنبھالنا مشکل؛ لیکن مولانا کی بے نفسی، بے ریائی اور مال و دولت سے بے اعتنائی اس حد تک تھی کہ وہاں اپنا ایک ذاتی گھر بھی نہ بنایا، مسجد ہی کے مکان میں رہے؛ حالانکہ آپ کے چاہنے والوں اور آپ پر اپنا سب کچھ قربان کرنے والوں کی کچھ کمی نہ تھی، لوگ پیش کش کرتے رہے؛ لیکن مولانا نے کبھی قبول نہ فرمایا۔

خشیت

خوف و خشیت میں مولانا کا وصف نرالا تھا، ابھی مولانا بذلہ سنجی و خوش طبعی کی کیفیت میں ہیں تو ابھی پل بھر میں خوف و خشیت کا جلوہ ہوجاتا اور رقت طاری ہوجاتی۔ جامعہ میں جب خطاب فرماتے تو بات بات پر آنکھیں چھلک پڑتیں، جلسہ میں قرآن کی تلاوت ہوتی اور مولانا کی آنکھیں آنسو برسانے لگتیں۔ اخیر زمانے میں خصوصیت کے ساتھ دیکھا گیا کہ قرآن کریم کی تلاوت ہورہی ہے اور مولانا کی آنکھیں چھلک رہی ہیں اور دل کی کیفیت آنکھوں کے ذریعہ باہر آرہی ہے، مقرر کا بیان جاری ہے، نبی کریم ﷺ، صحابۂ کرامؓ اور اسلاف کے واقعات بیان ہورہے ہیں اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ مولانا کبھی خود کسی طالب علم سے فرمائش کرکے قرآن سنتے، ابھی گذشتہ سال مولانا کی طبیعت بہت خراب تھی؛ لیکن جب سنا کہ جامعہ میں تجوید و قراءات کا جلسہ ہے تو کہا کہ مجھے ضرور جانا ہے، تشریف لائے اور جامعہ کے مہمان خانہ میں چند لوگوں کی موجودگی میں جامعہ کے ایک فاضل سے قرآن پڑھنے کی فرمائش کی، تلاوت شروع ہوئی اور ادھر مولانا پر گریہ طاری ہوا اور آپ دیر تک روتے رہے۔

(۲۶) مقبولیت و محبوبیت

علم و عمل کی جامعیت، صلاح و تقویٰ کی وجہ سے حق تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ مقبولیت سے

نوازا تھا اور اس دیار میں مرجعِ خلائق کی حیثیت رکھتے تھے، ہر طبقہ اور ہر مسلک والے بلکہ غیر مسلم بھی آپ کا ادب واحترام کرتے تھے، دنیادار طبقہ بھی آپ کے قدموں میں گرتا تھا، لوگ آپ کے پاس اپنے معاشرتی، تجارتی مسائل حل کرنے کے لیے لاتے اور مولانا کا فیصلہ ان کے لیے حرفِ آخر ہوتا۔ اکابر وعلماء بھی مولانا سے بڑی محبت رکھتے تھے اور مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: بمبئی کی سب سے بڑی جامع مسجد کے امام وخطیب حضرت مولانا شوکت صاحب مدظلہم اس وقت بمبئی میں سب سے زیادہ معمر بزرگ ہیں جن پر علاقے کے تمام مسلمان اعتماد کرتے ہیں۔ آج کل وہ چلنے پھرنے سے معذور ہوچکے ہیں، ہمارا خیال تھا کہ عصر کی نماز ان کی مسجد میں پڑھ کر ان کی زیارت اور عیادت کی سعادت حاصل کریں گے؛ لیکن ہجوم کی وجہ سے ہمیں نکلنے میں دیر ہوئی، اور جماعت ہوٹل ہی میں کرنی پڑی۔ نماز کے فوراً بعد معلوم ہوا کہ حضرت مولانا ہمارے آنے کی خبر سن کر بذات خود ہوٹل کی نچلی منزل میں تشریف لاچکے ہیں.....۔ (سفر در سفر: ۳۰۰)

یہ حضرت مولانا کی برکت تھی کہ اس دشوار گذار کوہ ودمن میں بزرگانِ دین اور علماء واکابر کی آمد ہوتی رہتی تھی، پچھلے دو سالوں میں حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا یوسف متالا صاحب، مولانا محمد ابراہیم پانڈور، مولانا مفتی احمد خانپوری، مولانا عبدالرزاق بھوپال، مولانا محمد سلمان مظاہر علوم سہارنپور، مولانا عبدالعلیم فاروقی، مولانا محمود مدنی، مولانا بدر الدین اجمل، مولانا احمد بزرگ مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل دامت برکاتہم العالیہ اور نہ جانے کتنے علماء واکابر حضرت مولانا کی عیادت وملاقات کے لیے ''میندری'' تشریف لاتے رہے، اس بہانے ان میں سے اکثر کی جامعہ حسینیہ میں بھی آمد ہوتی، ان حضرات کی ملاقات اور ان کی زیارت ہم سب کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ تھی جس سے دیدہ ودل شاداب ہوتے تھے۔

مولانا کی وفات امت کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے، اللہ تعالیٰ مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے۔ اللّٰھم اغفرله وارحمه وأدخله الجنة. آمین

❁ ❁ ❁